منزلِ محبُوب

راجندر سِنگھ

فہرست

پیش لفظ 5

حصّہ-1 منزلِ محبوب پر رُخصت

حصہ-1 منزلِ محبوب پر رُخصت 8

باب-1 سب کچھ ملا ہمیں نہ مگر مہرباں ملے 11

باب-2 پہلے بھی جیسے دیکھ چکے ہوں اُنھیں کہیں 15

باب-3 بڑھتا گیا مَیں منزلِ محبوب کی طرف 21

باب-4 وہ خُوش نصیب جس کو تیرا آستاں ملے 30

باب-5 نظریں تلاش کرتی رہیں وہ سکون کے لمحے 33

حصّہ-2 بیداری کا ملکوتی علم

باب-6 نوائے آگہی کو سُن کر 38

باب-7 تیری رحمت کا دامن 60

حصّہ-3 منزل اور رہبر

باب-8 منزِل، رہبر اور عزمِ رندانہ 64

باب-9 شوقِ دید 86

منزلِ محبُوب

حصّہ-4 کیفیت دربارِ دوست

حصہ-10 وَجد میں ہیں جام و مینا 96

باب-11 انوارِ دوست 110

حصّہ-5 رُوحانیت میں ڈوب جاؤ

باب-12 رُوحانیت میں ڈُوب جاوَ 118

حصّہ-6 رُوحانی تارا بنو

باب-13 نسیمِ صبح 128

باب-14 تصوّر کی کرم فرمائیاں 134

تعارف

سنت درشن سنگھ جی 148

سنت راجندر سنگھ جی 150

پیش لفظ

جب ہم رُوحانی طور پر بیدار ہوتے ہیں تو ایک اہم سوال یہ اُٹھتا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں خُدا کو کیسے پا سکتے ہیں؟ ہم سوچنے لگتے ہیں کہ ہم ایسا کیا کریں جس سے ہم اپنے مقصد تک جلد سے جلد پہنچ سکیں۔

جب دُنیا بھر سے لوگ رُوحانی پروگراموں کے لئے جمع ہوتے ہیں، اُس وقت کا بہترین استعمال یہ ہے کہ ہم اپنی رُوحانی نمو کے طریقوں پر توجہ دیں۔ سنت درشن سنگھ جی مہاراج (1989-1921) نے رُوحانیت کے بہت سے پہلوؤں کو وضاحت کے ساتھ سمجھایا ہے۔ ان کی شاعری کے پُر اسرار معانی پر غور کر کے، ہمیں اپنی رُوحانی نمو کے لئے حوصلہ افزائی اور طاقت حاصل ہوتی ہے۔

اس کتاب میں شامل حوصلہ افزا شاعری یہ سمجھاتی ہے کہ ہم ستگورو کے پاس آ کر کیا پا سکتے ہیں۔ ان کی تعلیمات، حوصلہ افزائی اور ان کی شخصیت کی تیز (شفیق لہریں) ہماری رُوح کو بلندی عطا کر کے ہمارے حتمی مقصد، قادرِ مُطلق کی طرف لے جاتی ہیں۔ خُدا کرے یہ کتاب اُن لوگوں کے لیے ایک رہنما کا کام کرے جو رب سے ملنا چاہتے ہیں۔ اندرونی روشنی اور سماعتی طور پر کیا گیا با قاعدہ ریاض، نیک زندگی، ست سنگ اور حُبِّ خُدا سے کی گئی بے غرض خدمت کے ساتھ ساتھ، گورو کی جسمانی موجودگی سے ملنے والا عروج ہمارے رُوحانی سفر کو تیز کر دیتے ہیں۔ ستگورو کی شفقت ہمیں منزلِ خُدا کے سفر کے لئے پختہ عزم اور جوش فراہم کر دیتی ہے۔ اس اندرونی سفر کی انتہا ہے قربتِ الٰہی، جاوداں تسکین اور ہمیشہ کی خوشی۔

خدا کرے یہ مجموعہ ہمارے دِلوں کو روشنی، پیار اور خوشی سے بھر دے۔

—راجندر سِنگھ

حصّہ—1

منزلِ محبوب

پر

رُخصت

حصّہ–1

منزلِ محبوب پر رُخصت

خُدا ہمارا مقصد ہے اور ہماری رُوح اپنی منزل کی طرف واپسی کے سفر پر ہے۔ ہم اپنی فطری خوشی یعنی اپنی رُوح سے لاعلم ہیں۔ رُوح میں لامحدود خصوصیات ہیں۔ ہم اپنی رُوح سے کیسے منسلک ہوں؟ ہم اپنے اصلی گھر کے سفر پر کیسے روانہ ہوں؟ ہم الٰہی شاہراہ پر کیسے سفر کریں اور آخر میں مکمل اور خالص خوشی کیسے حاصل کریں؟ ایک راستہ ہے۔ یہ قدیم ترین راستہ ہے، جو جاوداں کے پاک دروازے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ دہلیز ہے جس کو پار کر کے ہمیں خدا کا تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ الٰہی دروازہ ہمیں لامحدود اصل سرچشمے کی طرف لے جاتا ہے، جہاں پہنچنے کے لیے ہم بے چین رہتے ہیں۔ جس کے پاس اس دروازے کی چابھی ہے، وہ ہے ایک رُوحانی گورو، ایک ستگورو۔

جب ہم اس کی موجودگی میں جمع ہوتے ہیں تو ہم روحانی بارش میں غسل کرتے ہیں، جس سے ہماری رُوح آرام محسوس کرتی ہے۔ ہم پُرسکون اور مطمئن ہو جاتے ہیں کیونکہ ہم خوشی اور سکون سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ہماری رُوح ستگورو کی توجہ سے جاری عشقِ الٰہی کی لہروں میں تسکین پاتی ہے۔ رُوحانیت میں ستگورو کو محبوب کہا جاتا ہے۔ رُوحانیت سے لبریز ایسے ماحول میں آنا منزلِ محبوب پر آنا ہے۔ منزلِ محبوب ایک ایسی محفل ہے، جس میں ستگورو ہماری توجہ کو رُوحانیت کی طرف مبذول کرتا ہے۔ ایسے تجربے سے ملنے والا آرام لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہمارے دُنیاوی وجود سے الگ، ایک اطمینان ہے۔

منزلِ محبوب پر اطمینان رُوح کے لیے کیوں اہم ہے؟ ہماری روز مرّہ زندگی میں، ہماری رُوح ذہن اور جسم کے اثرات سے اِدھر اُدھر بھٹکتی رہتی ہے اور ایسی سرگرمیوں میں

منزلِ محبُوب پر رُخصت

مصروف رہتی ہے جو ہمارے جسم اور ذہن کو تو فائدہ پہنچاتی ہیں، لیکن ہمارے رُوحانی پہلو کو نہیں۔ ہماری رُوح غیر ضروری جسمانی اور ذہنی ضروریات فراہم کرنے میں لگی رہتی ہے۔ اس طرح رُوح اپنی حقیقت کو نہیں پہچانتی اور اُس ناقابلِ تصوّر شان، حتمی خوشی، عشق اور لامحدود سکون سے محروم رہتی ہے، جو منزلِ محبوب پر ہمارے اصلی گھر میں ہمارے منتظر ہیں۔

زمانۂ قدیم سے سَنت لوگ منزلِ محبوب پر آتے جاتے رہے ہیں۔ وہ اُس الٰہی سفر کے بارے میں انسانیت کو بتانا چاہتے ہیں۔ سنت مہاپروش اُس سفر کا نقشہ چھوڑ کر گئے ہیں تاکہ ہم بھی اپنی منزلِ مقصود کا سفر کر سکیں۔ جدید دور میں، گزشتہ صدی کے عظیم انسان، حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج، سنت کرپال سنگھ جی مہاراج اور مردِ مہربان سنت درشن سنگھ جی نے اپنی زندگی، اپنی تعلیمات اور تحریروں کا نقشہ چھوڑا ہے تاکہ ہم صحیح زندگی جینے کا طریقہ سیکھ سکیں۔

ہر شخص جو اِس دُنیا میں آتا ہے، وہ بڑا ہوتا ہے، اپنی زندگی مختلف طریقوں سے گزارتا ہے اور پھر یہاں سے چلا جاتا ہے۔ اُس عرصۂ حیات میں، کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہم نے اُس مقصد کو حاصل کر لیا ہے، جس کے لئے ہم یہاں آئے تھے؟ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جنھیں پوری زندگی اِس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟ جب ہم اِن سوالات پر توجہ دینے لگتے ہیں کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے، تو ہماری رُوح بیدار ہونے لگتی ہے۔ ہم سوالات کے جوابات تلاش کرنے لگتے ہیں۔ ایک ستگورو ہماری رہنمائی کر سکتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کا اصل مقصد کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔

سنت درشن سنگھ جی مہاراج (1921-1989) ایک ستگورو تھے، ایک صوفی سنت تھے، جنہوں نے اپنی زندگی میں ساری دُنیا کے بے شمار متلاشیوں کو اُن کے اندرون میں موجود الٰہی لہروں سے جوڑا۔ وہ آنے والے نسلوں کے لیے اپنی رُوحانی شاعری اور تحریروں کا خزانہ چھوڑ کر گئے ہیں۔ اُن کی ہر نظم رُوحانیت کے ایک الگ پہلو پر روشنی ڈالتی ہے۔ ان کی ایک غزل (وہ صنفِ سخن جس میں اُن کی اکثر تخلیقات ہیں) یہ بتاتی ہے کہ ایک بیدار زندگی بسر کرنے سے ہمیں کیسے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ آگے آنے والی یہ غزل بتاتی ہے کہ اکثر لوگ کس طریقے کی زندگی جی رہے ہیں اور اُن میں کیا حاصل کر لینے کی قوّت

ہے۔کیونکہ بہت سے لوگ خود کو صرف جسم سمجھتے ہیں، اُن کی توجّہ دُنیا پر ٹکی رہتی ہے، اِس بات پر مرکوز رہتی ہے کہ وہ اپنی دُنیاوی ضرورتوں کو کیسے پوری کریں۔اس لیے دُنیاوی ضروریات دیگر سبھی سے پہلے آتی ہیں۔سنت بتاتے ہیں کہ جب ہم زندگی میں صرف اپنی جسمانی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں تو ہم اپنے اُس پہلو پر توجّہ نہیں دیتے ہیں جو ہماری مکمل نمو کے لیے سب سے ضروری ہے یعنی 'رُوح'۔

سنت ہمیں بتاتے ہیں کہ حقیقت میں ہمارا وجود جسمانی سطح پر نہیں ہے بلکہ رُوحانی سطح پر ہے۔جسمانی نمو کے ساتھ ساتھ ہم اُن سرگرمیو میں بھی وقت لگا سکتے ہیں، جو ہماری رُوح کو بھی تسکین دیں۔اگر ہم صرف جسمانی طور پر جیے تو ایک ایسے زندگی جینے کے بعد بھی، جو ہمارے خیال میں شاندار تھی، ہم پائیں گے کہ یہ جسم کا پُتلہ فنا ہو جاتا ہے۔تب ہم محسوس کرتے ہیں کہ صرف ہماری رُوح لافانی ہے اور جو کچھ ہم نے اپنے جسم کے لیے جمع کیا ہے، وہ سب پیچھے چھوٹ جائے گا۔سنت درشن سنگھ جی مہاراج کی یہ غزل رُوح پر توجّہ مرکوز کرنے کا راستہ دِکھاتی ہے تا کہ ہم رُوحانی اعتبار سے ترقی کر سکیں۔

اِس غزل کے اشعار کے ذریعے سنت درشن سنگھ جی پوچھتے ہیں، ''رُوحانی ترقی کے لیے ہم کہاں جائیں؟'' وہ اِس کا جواب بھی دیتے ہیں، ''منزلِ محبوب پر۔'' جب ہم ستگورو کے سامنے ہوتے ہیں تو اُن کی توجّہ سے ہماری رُوحانی ترقی ہونے لگتی ہے اور جسمانی سطح سے اُوپر کی سطح رُوحانیت سے گزر کر، بالآخر ہمارے اصلی گھر میں پہنچا دیتی ہے۔

کئی لوگ اپنے گھروں میں رہ کر رُوحانیت کے لیے وقت لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔وہاں اُن کا دھیان گھر کے کام کاج، ذمّے داریوں اور لذّتوں سے اکثر منقطع ہوتا رہتا ہے۔لیکن منزلِ محبوب پر، اپنے ستگورو کے پاس پہنچ کر ہم عشق کی لہروں سے شرابور ہو سکتے ہیں جو کہ ہمیں اُوپر لے جاتی ہیں۔اس کتاب میں ہم سنتوں کی حکمت سے سیکھ سکتے ہیں کہ منزلِ محبوب پر ایک رُوحانی فرصت لے کر ہم کیسے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

باب–1

سب کچھ ملا ہمیں نہ مگر مہرباں ملے

دَولت مِلی جہان کی نام و نشاں ملے
سب کچھ ملا ہمیں نہ مگر مہرباں ملے

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

یہ شعر بتاتا ہے کہ منزلِ محبوب ملنے سے پہلے لوگ اپنی زندگی کیسے گزارتے ہیں۔ کچھ لوگ نام اور شہرت پانے کی کوشش کرتے ہیں، کچھ مال و دولت جمع کرتے ہیں یا کچھ دوسری مادّی اشیا حاصل کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں تاکہ اُنھیں خوشی مِل سکے۔ کچھ لوگ دن میں آٹھ، دس یا بارہ گھنٹے کام کرتے ہیں، خواہ تجارت کریں یا کوئی ملازمت کریں۔ اُس میں سے اکثر وقت اپنی مادّی ضرورتوں کے لیے پیسہ کمانے میں لگ جاتا ہے۔ روزانہ جب سے وہ بیدار ہوتے ہیں اور جب تک سونے کے لیے جاتے ہیں، وقت غسل کرنے میں، دانت صاف کرنے میں، کپڑے پہننے میں، ناشتہ کرنے میں، کام پر جانے میں، دوپہر کے کھانے میں، گھر واپس آنے میں، رات کے کھانے میں، گھر کے کام کاج میں یا تفریح میں نِکل جاتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے جب ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان روزمرّہ کی سرگرمیوں میں کئی دِن نکل گئے لیکن محبوب سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ہم پاتے ہیں کہ ہماری رُوحانی خواہشات کی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔

جس طرح کے معاشرے میں رہتے ہیں، کام کاج کرتے ہیں، دوسروں سے ملتے ہیں تو ہمیں شہرت حاصل کرنے کی خواہش ہو سکتی ہے۔ ہم بھی تمنّا کر سکتے ہیں کہ دوسرے

منزلِ محبُوب

لوگ ہماری کامیابیوں کے بارے میں جانیں۔ اس لیے ہم اپنے آپ کو سجانے سنوارنے میں وقت لگا سکتے ہیں تاکہ دوسرے لوگ دیکھیں کہ ہم عقل مند ہیں، دولت مند ہیں یا زندگی میں کامیاب ہیں۔ شعر کا مصرع ہے ''دولت ملی جہان کی نام ونشاں ملے'' لیکن یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے، ''پران سب سے مجھے کیا ملا؟'' کچھ نہیں، کیونکہ جب ہم اس مادّی وجود کے اختتام کو پہنچ جاتے ہیں، تو پاتے ہیں کہ ہمارا نام وشہرت، ہمارا روپیہ پیسہ، ہماری دولت اور جائیداد ہمارے ساتھ نہیں جاتی ہے۔

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں سنت درشن سنگھ جی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اصل میں ہماری مدد کون کرے گا۔ وہ کہتے ہیں، ''سب کچھ ملا ہمیں نہ مگر مہرباں ملے''۔ وہ کہتے ہیں مجھے اس دُنیا میں سب کچھ مِلا لیکن مجھے محبوب کا دیدار حاصل نہیں ہوا، وہ جو مجھ سے بغیر کسی لالچ کے عشق کر سکتا ہے، میری بے غرض مدد کر سکتا ہے۔ لفظ 'معشوق' کا استعمال صوفی سنتوں نے دو معنوں میں کیا ہے۔ 'محبوب' کا مطلب ہو سکتا ہے ستگورو جو کہ معرفت اور خُدا کے حصول میں ہماری مدد کر سکتا ہے۔ دوسرے اشعار میں اس لفظ کا مطلب ہو سکتا ہے خُدا۔ خُدا وہ ابدی محبوب ہے جس سے ہماری رُوح ملنا چاہتی ہے۔ صوفی سنت 'محبوب' اور 'معشوق' الفاظ کا استعمال 'خُدا' اور 'رُوح' کے لیے کرتے ہیں تاکہ ہم رُوح اور خُدا کے رشتے کو سمجھ سکیں۔ خُدا ابدی محبوب ہے اور ہم رُوحیں اس کی عاشق ہیں۔ ہماری زندگی کا مقصد خُدا سے عشق کرنا ہے، کچھ اور نہیں۔ اگر ہم خُدا سے پورے من، سچّے دِل اور رُوح کی گہرائیوں سے عشق کرتے ہیں، تو ہم یقیناً اُس مقصد کو حاصل کر لیں گے، جس کے لیے ہم اِس دُنیا میں آئے ہیں، یعنی خُدا کو حاصل کرنا۔ ستگورو اُس حُبِ خُدا کا احساس کرنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔

سنت درشن سنگھ جی اس شعر میں کہتے ہیں کہ اگر ہم نام، شہرت اور دُنیا کی ساری دولت بھی پا لیں، تو بھی ہم نے کچھ حاصل نہیں کیا کیونکہ ہم نے اپنے ابدی معشوق خُدا کے عشق کا احساس نہیں حاصل کیا۔ کئی سنت مہاتما کہتے ہیں کہ اگر ہمارا اپنے ماورائی محبوب یعنی خُدا سے ملن نہیں ہوا تو ہمارا قیمتی انسانی جنم بیکار ہو جاتا ہے۔ 84 لاکھ مخلوقات ہیں، ہم کسی بھی پیکر میں پیدا ہو سکتے تھے، لیکن یہ خُدا کی خاص مہربانی تھی کہ ہمیں انسانی پیکر ملا۔ کچھ سنت

منزلِ محبُوب پر رُخصت

مہاتما سمجھاتے ہیں کہ انسانی جنم مخلوقات میں سب سے عظیم ہے کیونکہ اسی کو وہ سب مادّے عطا کیے گئے ہیں جن سے ہم اپنے آپ کو جان سکتے ہیں اور خُدا کو حاصل کر سکتے ہیں۔ کسی دوسری مخلوق میں رُوحانی بیداری نہیں مل سکتی ہے۔ اسی لیے مہاپرُش ہمیں زور دے کر کہتے ہیں کہ انسانی جنم ایک سنہرا موقع ہے جس میں ہماری رُوح کا ملاپ خُدا سے ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم اسے حاصل کرنے کے لیے وقت نہیں دیتے، تو ہم اس موقع کو گنوا دیتے ہیں۔ اس شعر کے ذریعے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اپنا دھیان صحیح سمت میں لگانے کی ضرورت ہے یعنی ہم ایسے کام کریں جن سے ہماری رُوح کا اتصال خُدا سے ہو سکے۔ لیکن اگر ہم اپنا دھیان صرف نام اور شہرت حاصل کرنے میں اور دھن دولت کمانے میں لگائیں گے تو ہم اُس ملکوتی موقع کو گنوا دیں گے، جس کے لیے ہمیں انسانی جنم ملا تھا، یعنی خُدا کو پانا۔

یہ شعر ہمیں اپنا تجزیہ کرنے کو کہتا ہے کہ کیا ہم اپنے ابدی محبوب سے مل چکے ہیں۔ جب ہمیں اس سچّائی کا احساس ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ وہ نہیں ہے، جس سے ہمیں زندگی کا صحیح مقصد مل سکتا ہے، تب ہم حالات کو ٹھیک کرنے کے لیے قدم اُٹھانا چاہیں گے۔ اسی وجہ سے مہاراج جی یہاں بتا رہے ہیں کہ لوگ اپنے ستگورو کے پاس چھٹّیاں گزارنے کے لیے آتے ہیں تاکہ وہ اپنے ابدی محبوب خُدا سے مل سکیں۔ اپنے ستگورو کے پاس وقت گزارنے کے ساتھ انسان کو اپنے اُس روزمرّہ کاموں سے چھٹکارا ملتا ہے، جو کہ اُسے صرف دُنیاوی اشیا مہیا کراتے ہیں لیکن اندرون میں بیٹھا ابدی محبوب خُدا سے ملنے کا جاوداں سکون نہیں دیتا۔

ماضی میں آئے سنت مہاپرُش بتاتے ہیں کہ وہ اپنے ستگورو کے قدموں میں وقت کیسے گزارتے تھے۔ مثال کے طور پر سنت کرپال سنگھ جی مہاراج (1894-1974) کو جب بھی موقع ملتا، وہ اکثر گھنٹوں ریل گاڑی کا سفر کر کے دُور اپنے ستگورو حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج (1858-1948) سے ملنے جایا کرتے تھے۔ مُرید کے طور پر سنت درشن سنگھ جی مہاراج (1921-1989) بھی سنیچر کی شام کو ریل گاڑی کا کئی گھنٹوں کا سفر کر کے اپنے ستگورو حضور بابا ساون سنگھ جی کے پاس جاتے اور اتوار رات کو واپس دلّی آجاتے تاکہ سوموار کو صبح اپنے ملازمت پر جا سکیں۔ جب وہ چھوٹے تھے اور اسکول میں پڑھتے تھے، اُس وقت

منزلِ محبُوب

جب بھی انھیں گرمیوں میں لمبی چھٹّیاں ملتیں، وہ اپنے ستگورو حضور بابا ساون سنگھ جی کے قدموں میں وقت گزارنا چاہتے تھے۔ زندگی میں آئندہ جب سنت کرپال سنگھ جی نے، حضور کے جانے کے بعد روحانی مشن کی ذمہ داریاں سنبھالیں، تو سنت درشن سنگھ جی روزانہ اپنی ملازمت کے بعد نیز ہر اتوار کو سنت کرپال سنگھ جی کے پاس آشرم میں وقت گزارا کرتے۔

کئی دوسرے لوگ، جنھیں حضور سے، سنت کرپال سنگھ جی سے یا سنت درشن سنگھ جی سے رُشد و ہدایت ملی، وہ بھی اپنے ہر چھٹّی اُن کے پاس ہندوستان میں اُن کے آشرم میں یا اُن کے ساتھ اسفار (Tours) میں گزارتے۔ کیوں؟

جب ہم اپنے ستگورو کے قدموں میں وقت گزارتے ہیں تو ہم ایسی ہستی کے رابطے میں آتے ہیں جس سے ہماری رُوح سکون پاتی ہے۔ اپنے ستگورو کی الٰہی شفقت کی لہروں میں، ہمیں ایک نشہ، لذّت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ ستگورو کی توجہ سے جاری ماورائی عشق کی بوچھار سے ہماری رُوح تناؤ سے نجات پاجاتی ہے۔

جب بھی ہم ست سَنگ کے ذریعے یا کسی دوسرے طریقے سے ستگورو کی قُربت حاصل کرتے ہیں تو ہماری رُوح الٰہی شفقت کی لہروں سے لطف اندوز ہوسکتی ہے۔ ایسے مواقع سے بہتر طور پر مستفیض ہونے کے لیے ہم اپنے روزمرّہ کے تناؤ اور پریشانی سے دُور ہونا چاہیں گے، جو ہمیں سالوں سال گھیرے رہتی ہیں اور تب ہم جاوداں لذّت اور خوشی سے لطف اندوز ہوسکیں گے۔ ہمیں اُن کی دہلیز پر اپنے سبھی تفکرات اور مسائل کو چھوڑ دینا چاہیے اور اُن کے ہر ست سَنگ کو ایک پاک رُخصت سمجھنا چاہیے۔

باب—2

پہلے بھی جیسے دیکھ چُکے ہوں اُنھیں کہیں

پہلے بھی جیسے دیکھ چُکے ہوں اُنھیں کہیں
اَنجان وادیوں میں کچھ ایسے نشاں ملے

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم منزلِ محبوب پر پہنچتے ہیں تو ہمیں لگتا ہے جیسے ہم نے انھیں پہلے بھی دیکھا ہے۔ اس ملاقات میں ہمیں ایک شناسائی محسوس ہوتی ہے۔ ہماری رُوح میں ہوئی ہلچل بتاتی ہے کہ ہمیں محبوب سے ماضی میں ہوئی ملاقات یاد ہے۔ کبھی کبھی اس خواہش سے ہماری آنکھوں میں چاہت کے آنسو چھلک آتے ہیں تو کبھی ہم خوشی سے پاگل ہو جاتے ہیں۔ ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم محبوب کو جانتے ہیں۔ ہمیں ایسا اس لیے لگتا ہے کیونکہ مُرشد سے عشقِ الٰہی کے چشمے جاری ہوتے ہیں۔ رُوح اِسے پہچان لیتی ہے کیونکہ یہ اُس دیش سے آئی ہے، جہاں پر یہ خدا سے منسلک تھی۔

ہم سبھی خدا کے حصّے ہیں، اُس سے نکلی ہوئی کرنیں ہیں۔ ہم خدا کو اِس لیے بھُول گئے ہیں کیونکہ ہماری رُوح دِل و دماغ اور جسم کی چادروں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ ہم بھُول گئے ہیں کہ ہم اصل میں رُوح ہیں اور ہم اپنے آپ کو صرف جسم اور دِل سمجھ بیٹھے ہیں۔ لیکن جب ہم منزلِ محبوب پر پہنچتے ہیں، تو اُن کی ماورائی قوّت سے ہماری رُوح بیدار ہو جاتی ہے۔ ہم اپنی رُوح کو پہچان لیتے ہیں اور ہمیں یاد آ جاتا ہے کہ ہم اصل میں رُوح ہیں۔

اِس کے ساتھ ساتھ ہم اِس حقیقت کے تئیں بیدار ہو جاتے ہیں کہ عشق ہی ہماری

فطرت ہے۔ خُدا عشق ہے اور ہماری رُوح اُس عشق کی ایک بوند ہے۔ اس لیے خُدا سے دوبارہ ملنے کے لیے ہمیں خُدا کے تئیں عشق کو پروان چڑھانا ہوگا۔ ہم مادّی آنکھوں اور کانوں سے خُدا کو دیکھ اور سُن نہیں سکتے تو ہم خُدا سے عشق کیسے کریں، جسے ہم جسمانی حواس سے دیکھ۔سُن نہیں سکتے؟ اس جگہ ایک مُرشد یا محبوب کی رہنمائی اہم ہے۔ کیونکہ خُدا ایک طاقت ہے، تخلیقی قوّت ہے، وہ مادّی حواس کی سطح پر مخفی ہے، غیر متشکل ہے۔ خُدا شعور ہے اور ہم اُسے تبھی سمجھ سکتے ہیں جب ہم رُوحانی اعتبار سے باشعور ہو جائیں۔

جب ہم جسمانی طور پر جیتے ہیں، تو جسمانی شعور کی حالت میں ہوتے ہیں۔ جب ہم اپنی خواہشات (emotions) سے منسلک ہوتے ہیں تو ہم جذباتی شعور کی حالت میں ہوتے ہیں۔ جب ہم اپنے آپ کو دِل و دماغ سمجھتے ہیں تو ہم عقلی یا ذہنی شعور میں ہوتے ہیں۔ ہم رُوحانی شعور کی سطح کیسے حاصل کریں؟ یہ ایک مُرشد یا محبوب کا کام ہے کہ وہ ہمیں ہمارے رُوحانی جہت سے جوڑ دیتا ہے۔ وہ ہمارے خیال کو ہمارے جسمانی، جذباتی، عقلی اور ذہنی جہت سے ہٹا کر ہماری رُوح پر یکجا کر دیتا ہے۔

اس شعر میں سنت درشن سنگھ جی ہمیں بتا رہے ہیں کہ رُوحانی سفر پر جا کر ہم رُوحانی شعور پا سکتے ہیں۔ یہ اندرونی سفر ایسا ہے جس میں ہم اپنی بیرونی پرتوں، جسمانی، جذباتی اور ذہنی پرتوں کو ہٹا کر اُن کے نیچے چھپے موتی، اپنی رُوح کو تلاش کر لیتے ہیں۔ ہم وہاں کیسے پہنچتے ہیں؟ ہم مراقبہ کے عمل کے ذریعے اپنے خیال کو مجتمع کر کے رُوحانی حالت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ مراقبہ کے ذریعے ہم اپنی اصلی ہیئت اپنی رُوح کے رابطے میں آتے ہیں اور پاتے ہیں کہ یہ خُدا سے منسلک ہے، جو کہ عشقِ الٰہی کا سرچشمہ ہے۔ بے حسی سے خُدا تک کے اس رُوحانی سفر سے ہمیں تجربہ ہوتا ہے کہ ہم حقیقت میں عشقِ الٰہی اور خُدا کا نُور ہیں۔

ایک دوسرے شعر میں سنت درشن سنگھ جی نے کہا ہے:

خاک سے تا بہ کہکشاں ہم نے تو جب کیا سفر
عشق ملا قدم قدم، حسن ملا نظر نظر

یہ ایسا سفر ہے جس میں رُوح اندرونی رُوحانی حلقوں سے گزرتی ہے جو خُدائی نُور، موسیقی اور عشقِ الٰہی سے لبریز ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں اس سفر پر گیا، تو ایسا لگا جیسے

منزلِ محبُوب پر رُخصت

میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ جب ہمارے مُنتشر خیالات کی لہریں جسم کے مختلف حصّوں سے سمٹ کر دو ابروؤں کے بیچ اور پیچھے واقع رُوح کے ٹھکانے پر جمع ہو جاتی ہے تو ہم آخرت کے علاقے میں پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارے اندرون میں ایک آنکھ ہے جسے چشمِ الٰہی، حکمی پہیہ، دسواں باب، single eye، third eye وغیرہ کہتے ہیں۔ گورو کی رہنمائی کی طاقت سے یہ تیسری آنکھ کھُل جاتی ہے تاکہ ہم اندرونی روشنی اور آواز کو دیکھ-سُن سکیں۔ مُرشد کی شفقت و مہربانی سے، اندرون میں خیال کو یکجا کر کے ہم عارضی طور پر چشمِ الٰہی پر سمٹ سکتے ہیں۔ مُرشد کی توجّہ کے جلال سے ہم جسمانی صورت سے رقیق مادّے میں، رقیق مادّے سے اسباب میں اور اسباب سے حلقۂ اسبابِ عالیہ میں پہنچ سکتے ہیں۔ اِن تین نچلے علاقوں (جسمانی صورت، رقیق مادّہ اور اسباب، جو کہ ذہنی کائنات کے اختیار میں ہیں) کو پار کرنے پر ہماری رُوح پر سے ذہن، طلسم اور بے حسی کی چادریں ہٹ جاتی ہیں۔ ہم ایک ایک کر کے جسمانی صورت، رقیق مادّہ اور اسباب کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ حلقۂ اسبابِ عالیہ میں ہم آبِ حیات سے لبریز چشمے، مانسرور میں پہنچتے ہیں، جہاں پر ہم اپنے جسم، رقیق مادّے اور جسمانی اسباب سے نجات حاصل ہونے کے بعد محسوس کرتے ہیں کہ ہم رُوح ہیں۔ اس مقام پر آ کر ہماری رُوح پُکار اُٹھتی ہے، ''سوہنگ'' یعنی ''میں وہی ہوں۔'' ہم محسوس کرتے ہیں، ''اے خُدا، میں ویسا ہی ہوں جیسے آپ ہیں۔'' پھر بھی، ابھی ہمارا سفر مکمل نہیں ہوا ہے کیونکہ ابھی ہماری رُوح پر طلسم کا مہین پردہ پڑا ہوا ہے۔ حلقۂ اسبابِ عالیہ سے ہم آخرکار مکمل شعوری مقام 'سچ کھنڈ' پہنچتے ہیں، جس کا مطلب ہے اصلی مقام یا اصلی گھر۔ حلقۂ اسبابِ عالیہ میں ہماری رُوح پر پڑا مہین پردا یہاں پہنچ کر ہٹ جاتا ہے اور ہم اپنی اصلی فطرت رُوح کا احساس حاصل کر لیتے ہیں۔ سچ کھنڈ میں ہم خُدا سے مِل جاتے ہیں، جو مکمل خوشی اور عشقِ الٰہی کا دائمی بحرِ عظیم ہے۔ آخر میں ہم انسانی تخلیق کا حقیقی مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف ہم خُدا کے حصّے ہیں بلکہ ہم خُدا سے منسلک بھی ہیں۔ اس صورت میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ عہدِ قدیم میں ہم نے خُدا کو دیکھا تھا جبکہ ہم اور خُدا ایک تھے۔ ہم آخر میں اپنے حقیقی گھر پہنچ جاتے ہیں۔

اصل میں ہماری رُوح سچ کھنڈ میں خُدا کا جُز تھی لیکن ہم اپنی حقیقی فطرت بھول گئے

ہیں۔ جب ہماری رُوح خُدا سے الگ ہو کر، کائنات کے مختلف علاقوں میں رہنے کے لیے بھیج دی گئی، تو اُسے الگ الگ خول دیئے گئے۔ جب ہم اپنے آپ کو ان خولوں جیسا یا دوسری مخلوقات جیسا سمجھنے لگ گئے، تو ہم اپنے منبع کو بھول گئے، جہاں سے ہم آئے تھے۔ جب ہمارے اُوپر پڑے خول اُترتے ہیں تبھی ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم رُوح ہیں۔ اِس شعر میں سنت درشن سنگھ جی مہاراج بتا رہے ہیں کہ جب ہم رُوحانی سفر پر چلنے لگتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے محبوب کو پہلے کہیں دیکھا ہے، کیونکہ جو خول ہمیں اُس قوت (الٰہی قوت) سے الگ کرتے ہیں وہ اُتر جاتے ہیں۔

سنت کی سنگت میں ہم پر شفقت و مہربانی کی موسلادھار برسات ہوتی ہے۔ جب ہمیں اُن کی رُوحانی توجّہ حاصل ہوتی ہے تو ہماری رُوح اُسے پہچان لیتی ہے اور ہم میں تبدیلی آتی ہے۔ حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج کی زندگی کا ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ حضور ایک ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے اور ایک آدمی اسٹیشن پر کھڑا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے اُس آدمی کی نظر حضور کی نظر سے ٹکرائی جو ریل گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ اِس طرح اُس آدمی کو حضور کے دیدار کا فائدہ حاصل ہوا۔ کئی سال بعد وہ آدمی، جو ہدایت یافتہ نہیں تھا، اپنے بسترِ مرگ پر لیٹا تھا۔ اُس نے چاروں طرف جمع اپنے گھر والوں سے کہا کہ اُسے اندرون میں ایک سنت کے دیدار ہوئے ہیں۔ اُس نے حضور بابا ساون سنگھ جی کی شبیہ کی تفصیل بتائی۔ اُس کے پاس ایک ہدایت یافتہ آدمی بیٹھا تھا، وہ سمجھ گیا کہ نزع کے قریب آدمی حضور کی تفصیل بتا رہا تھا جنھیں اُس نے برسوں پہلے لمحہ بھر کے لیے ریل گاڑی میں دیکھا تھا۔ حضور مَوت کے وقت اُس کی رُوح کو اپنی حفاظت میں لینے کے لیے وہاں ظاہر ہوئے تھے۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مُرشد کی موجودگی میں ہمیں کیسے کیسے تحفے حاصل ہوتے ہیں۔ ذرا سوچیئے، اُس آدمی کو ریلوے اسٹیشن پر حضور کی شفقت و مہربانی کی نظر لمحہ کے لیے ملی اور مُرید نہ ہونے کے باوجود، اُس نظر کے جلال سے اُس کی مَوت کے وقت رُوح کی حفاظت کے لیے حضور اُس کے اندرون میں ظاہر ہو گئے۔ اس طرح مُرشد رُوح کی حفاظت کرتے ہیں، تاکہ اعمال کا کھاتہ 'کال' کے ہاتھوں میں نہ رہ کر مُرشد کے پاس آ جائے۔ کال

وہ طاقت ہے جو نچلی تین سطحوں پر حکومت کرتا ہے۔ وہ طاقت ''جیسے کو تیسا'' اصول اپناتی ہے، جس میں ہمیں اپنے ہر خیال، ہر بول اور ہر عمل کا یا تو انعام ملتا ہے یا اُس کی سزا بھگتنی ہوتی ہے۔ اِس کے برعکس جب اعمال کا کھاتہ مُرشد کے ہاتھوں میں آ جاتا ہے تو وہ اپنی شفقت و مہربانی کے اصول سے کام لیتے ہیں اور وہ ہمارے مجتمع اعمال کو مکمل ختم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مُرشد ہمیں آواگمن کے چکر سے نجات دے کر ہماری رُوح کو واپس سب سے اُونچی سطح خُدا تک پہنچا دیتے ہیں۔ ہمیں اِن عظیم مُرشدوں کی شفقت و مہربانی کا کوئی اندازہ نہیں ہے جو وہ اپنے ست سنگ میں یا کسی دوسرے مقام پر ہم پر برساتے ہیں۔ اُن کی سنگت میں ہماری رُوح اُس نظر کو پہچان جاتی ہے اور ہماری زندگی ہمیشہ کے لیے بدل جاتی ہے۔

رُوحانی سفر پر ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم خُدا سے منسلک ہیں۔ اس لیے سنت درشن سنگھ جی کہتے ہیں— ''پہلے بھی جیسے دیکھ چکے ہوں اُنھیں کہیں''

زندگی میں ہمارا دھیان باہری دُنیا میں لگا رہتا ہے۔ لیکن جب ہم رُوحانی سفر پر چلتے ہیں تو ہم خُدا کی جھلک دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ اندرونی سفر سے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم اصل میں کون ہیں، کہ خُدا کے حصّے ہیں اور ہم خُدا کو پا سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں—

''انجان وادیوں میں کچھ ایسے نشاں ملے''

اِس کا مطلب ہے کہ ہم اِس رِشتے کو پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اِس دُنیا میں نہیں بلکہ اندرونی حلقوں میں۔

خُدا سے عشق کرنے کا مطلب ہے مراقبہ کرنا۔ یہی خُدا کا محبّت پانے کا راز ہے۔ سنت درشن سنگھ جی یہ بتاتے ہوئے کہ ہم کہاں ہیں، ہمیں کہاں جانا ہے اور ہم وہاں کیسے پہنچ سکتے ہیں، یہ بھی بتا رہے ہیں کہ مراقبہ کے ذریعے ہم خُدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ مراقبہ کی حالت میں ہمیں مُرشد کی نُوری ہیئت تک پہنچنے کی ضرورت ہے جو اندرونی سفر میں ہمارے رہنما بن جاتے ہیں۔ جب ہم اپنے خیال کو مجتمع کرتے ہیں اور تخیل کی لہروں کو سمیٹتے ہیں تو ہم اندرون میں روشنی دیکھتے ہیں۔ اُس روشنی میں جذب ہونے پر ہم بالآخر مُرشد کی نُوری ہیئت، اپنے محبوب تک پہنچ جاتے ہیں۔ مُرشد کی یہ نُوری ہیئت ہمیں جسم سے رقیق مادّہ،

منزلِ محبوب

رقیق مادّہ سے اسباب اور اسباب سے حلقۂ اسبابِ عالیہ کے سفر پر لے جاتی ہے۔ جب ہم اعلیٰ ترین رُوحانی حلقے میں پہنچ جاتے ہیں، جہاں پر ہماری رُوح خُدا میں منسلک ہو جاتی ہے، تب ہم جان پاتے ہیں کہ ہم خُدا سے منسلک ہیں۔

جب ہم رُوحانی اجتماعات میں شامل ہوں یا مراقبہ کے لیے آشرموں میں جا کر رہنے لگیں تو ترقیّ حاصل کرنے کے لیے مراقبہ میں زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں تا کہ محسوس کرسکیں کہ ہم نے محبوب کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔ جب ہم اندرون میں جاتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم خُدا سے منسلک ہیں۔ اس بات کی توثیق ذاتی تجربے کے ذریعے ہی ہوگی۔ جب ہم مراقبہ کرتے ہیں اور دُنیا کے سبھی مسائل اور تکلیفوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں تو ہمارے اندرون میں نظارے دِکھنے لگتے ہیں اور مُرشد کی نوُری ہیئت پوری شان کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے۔ اُس کی خوبصورتی اور جلال نہ صرف دیکھنے میں حیرت انگیز ہوتا ہے بلکہ وہ ہمیں عشقِ خُدا سے لبریز کر دیتا ہے نیز ہمیں مقناطیس کی طرح کھینچ کر اندرون میں اور آگے لے جاتا ہے۔ وہ رُوح کے تخیل کو دُنیا اور اس کے مسائل سے ہٹا کر اندرونی حلقوں کی طرف کر دیتا ہے، جو کہ دُکھ درد سے آزاد ہے۔ جب ہم اندرون میں جاتے ہیں تو رُوحانی رُخصت سے تناؤ سے نجات پا جاتے ہیں کیونکہ ہم تکلیف سے بھرے نچلے (جسمانی) حلقے کو پار کر کے لُطفِ عالیہ، سکون اور خوشی سے بھرپور اعلیٰ ترین حلقوں کا مزا لینے لگتے ہیں۔

باب–3

بڑھتا گیا مَیں منزلِ محبوب کی طرف

بڑھتا گیا مَیں منزلِ محبوبِ کی طرف
حائل اگرچہ راہ میں سنگِ گراں ملے

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

جب ہم رُوحانیت کے راستے پر چلنے لگتے ہیں، تو اکثر لوگ ہم سے پوچھنے لگتے ہیں، ''آپ سبزی خور کیوں ہیں؟'' یا ''آپ آنکھیں بند کر کے مراقبے میں وقت کیوں گزارتے ہیں جبکہ کرنے کو بہت سے کام ہیں؟'' ہوسکتا ہے کچھ لوگ ہمارا مذاق بھی اُڑائیں کیونکہ ہم کچھ ایسا کر رہے ہیں جو وہ نہیں کرتے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ دوسرے مسائل بھی ہمارے سامنے آ کھڑے ہوں، جیسے کوئی معاشی مسئلہ جس کی وجہ سے ملازمت ہمارے لیے کافی نہ رہے۔ ہمیں مزید آمدنی کے لیے دو یا تین ملازمتیں کرنی پڑ سکتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہماری زندگی میں جسمانی، جذباتی یا رشتوں سے متعلق پریشانیاں آ جائیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے کسی عزیز کو صحت کا مسئلہ درپیش آ جائے۔ اس شعر میں سنت درشن سنگھ جی فرما رہے ہیں کہ حالانکہ رُوحانیت کے راستے پر مجھے کئی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، لیکن میں لگاتار منزلِ محبوب کی طرف بڑھتا جا رہا ہوں۔

ایسی کئی مثالیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ دوسرے لوگوں نے منزلِ محبوب تک جانے کے لیے کیا کیا تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ کچھ نے ہزاروں میل کا سفر کیا ہے، کچھ نے ملازمت سے کچھ عرصے تک رُخصت لینے کے لیے جدوجہد کی ہے۔ لوگوں نے ان سبھی

منزلِ محبوب

رُکاوٹوں کو دُور کرنے کے طریقے نکال لیے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا باس (مالک) ہمیں چھٹّی دینے سے انکار کر دیتا ہے، لیکن ہم چھٹّی لینے کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال ہی لیتے ہیں۔ متعدّد بار ایسا ہوتا ہے کہ ہم بیمار پڑ جاتے ہیں، پھر بھی ہم ست سنگ میں جانے کا فیصلہ لیتے ہیں اور وہاں جا کر ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری ساری بیماری غائب ہو گئی ہے۔ سنت درشن سنگھ جی یہاں سمجھا رہے ہیں کہ زندگی میں پریشانیاں آتی رہتی ہیں، لیکن جب ہماری توجہ خُدا کی طرف مبذول ہو جاتی ہے، تو ہمیں اِن چیلنجوں کا سامنا کرنا بوجھ نہیں لگتا۔ وہ فرما رہے ہیں کہ حالانکہ اُن کے راستے میں کئی رُکاوٹیں آئیں، لیکن وہ لگاتار منزلِ محبوب کی طرف بڑھتے رہے۔

ہم بھی منزلِ محبوب کی طرف لگاتار کیسے بڑھ سکتے ہیں؟ یہاں تک پہنچنے کے لیے جوش اور لگن کی ضرورت ہے۔ ہمیں باقاعدگی سے کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ رُوحانیت کے راستے پر ہمیں کس طرح کی سعی کرنی ہے؟ وہ سعی ہے روزانہ کم سے کم ڈھائی گھنٹے مراقبہ کرنا۔ باقاعدگی سے مراقبہ کے ساتھ ساتھ ہمیں خوبیوں سے بھرپور اخلاقی زندگی گزارنے کی بھی ضرورت ہے۔

اندرون میں منزلِ محبوب، یعنی سچ کھنڈ تک پہنچنے کے لیے ہمیں کئی رُکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سب سے بڑی رُکاوٹ ہے ہمارا ذہن اور دُنیاوی لالچ کے تئیں اُس کی شدید کشش۔ ہمیں اپنے ذہن کو مستحکم کرنا ہے تاکہ یہ ہمیں اندرونی طور پر مراقبہ کرنے دے۔ ہمارا ذہن ہمیں مراقبہ کرنے سے روکنے کے لیے کئی طریقے نکال لیتا ہے۔ وہ ہمیں اُکساتا ہے کہ ہم اندرون میں مراقبہ کرنے کی اپنی رُوح کی آواز کو نہ سُنیں اور باہری دُنیا کی تفریح میں ہی مصروف رہیں۔ اگر ہم مراقبہ کرنے کے لیے بیٹھ بھی جاتے ہیں، تب بھی ہمارا ذہن شکست قبول نہیں کرتا۔ وہ ہمیں ماضی و مستقبل کے خیالات بھیج کر ہمارے ذہن کو مجتمع نہیں ہونے دیتا۔

ہم چاہے جس میدان میں ہوں، ہمیں اُس میدان میں کامیابی حاصل کر چکے لوگوں کا تجزیہ کر کے یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ہم اُن سے بہت پیچھے کیوں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے میدان کی منزلِ اعلیٰ پر پہنچ چکے لوگوں کو دیکھ کر ہمیں لگتا ہو کہ وہ اچھی قسمت کی وجہ سے

وہاں پہنچے ہیں۔ایسے میں ہم بھی خُدا سے دُعا کرنے لگتے ہیں کہ وہ ہماری قسمت بھی اچھی کردیں، تاکہ ہم بھی کامیاب ہوسکیں۔

رُوحانیت کے میدان میں ہم ایسے لوگوں کے بارے میں پڑھتے اور سُنتے ہیں جنھوں نے خُدا کو پایا ہے۔اگر ہمارے اندر بھی خُدا کو پانے کی خواہش ہے اور ابھی تک ہم پانہیں سکے ہیں، تو ہم حیران ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ خُدا کو پانے میں کامیاب کیسے ہوئے تھے۔ہم خواہش کرنے لگتے ہیں کہ ہمارے سر پر بھی خوش قسمتی کا ہاتھ ہو، تاکہ ہم بھی خُدا کو پاسکیں۔لیکن ہم یہ بات نہیں سمجھتے کہ کامیابی کا قسمت سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، کامیابی اُسی وقت ملتی ہے جب مقصد تک پہنچنے کے لیے باقاعدہ اور لگاتار کوشش کی جائے۔

اس کی تشریح کے لیے تاریخ میں ایک مثال ہے، جو انگلینڈ کے ایک راجہ کی زندگی سے متعلق ہے۔اُس راجہ کے چار لڑکے تھے۔تینوں بڑے لڑکے طاقتور تھے، لیکن سب سے چھوٹا بیٹا کمزور تھا اور اس کا جسم اپنے بھائیوں کی طرح مضبوط نہیں تھا۔

اُن دِنوں کتابیں نایاب ہوتی تھیں۔جو تھوڑی بہت کتابیں دستیاب تھیں، وہ تمام ہاتھ کی لکھی ہوتی تھیں، وہ قلم کے ذریعے لکھی جاتی تھیں یا برش سے مصوّر کی جاتی تھیں اور پھر اُن پر خوبصورت جلد چڑھائی جاتی تھی۔وہ بہت قیمتی ہوتی تھیں اور عام لوگ انھیں خرید نہیں پاتے تھے۔

ایک دن ایک دولت مند انسان نے راجہ اور رانی کو ایک بہت ہی خوبصورت کتاب تحفے میں دی۔رانی اپنے چاروں بیٹوں کو وہ کتاب دِکھانا چاہتی تھی۔اُس نے اُن سب کو اپنے کمرے میں طلب کیا اور وہ ضخیم کتاب باہر نکالی۔چونکہ اُس زمانے میں کتابیں بہت نایاب ہوتی تھیں، اس لیے پڑھنا بھی بہت کم لوگوں کو آتا تھا۔رانی نے وہ کتاب اپنے چاروں بیٹوں کو دِکھائی، حالانکہ اُن چاروں میں سے کسی کو بھی پڑھنا نہیں آتا تھا۔اُس نے ہر صفحے پر لکھے خوبصورت الفاظ اپنے بیٹوں کو دِکھائے۔شہزادوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ وہ کتاب دیکھی، کیونکہ اُنھوں نے پہلے کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی تھی۔لیکن اُنھیں اُس کے صفحات پر لکھے عجیب سے الفاظ کا مطلب سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

جب وہ چاروں شہزادے اُس کتاب کو کھول کر دیکھ رہے تھے، تو اُن کی ماں نے کہا،

منزلِ محبُوب

''یہ الفاظ جتنی خوبصورتی کے ساتھ لکھے گئے ہیں، اُس سے بھی زیادہ خوبصورت وہ کہانی ہے جو بیان کی گئی ہے۔ اگر تم لوگ پڑھنا سیکھ لو تو تم بھی اس کہانی کا لُطف لے سکو گے۔ میں یہ کتاب تم چاروں میں سے اُس کو دُوں گی جو سب سے پہلے پڑھنا سیکھ لے گا۔''

سب سے چھوٹے بیٹے نے ماں سے پوچھا کہ کیا وہ کتاب اُس کو دیں گی۔''

رانی نے جواب دیا، ''میں یہ کتاب اُس کو دُوں گی جو سب سے پہلے پڑھنا سیکھے گا۔ اگر تم اس مقابلے میں اوّل آؤ گے، تو ضرور یہ کتاب تمھیں ہی ملے گی۔''

سب سے چھوٹے بیٹے نے کہا، ''پڑھنا کون چاہتا ہے؟ میں اِس کے بجائے لکھنا پسند کروں گا۔''

دوسرے بیٹے نے بھی کہا، ''پڑھنے میں کس کو دلچسپی ہے؟ میں تو جنگلی چڑیوں کی تلاش میں جانا چاہوں گا۔''

تیسرا بیٹا بھی اُس سے متفق ہوتے ہوئے بولا، ''اگر مجھے بڑے ہو کر زاہد بننا ہوتا، تو میں پڑھنا ضرور سیکھتا۔ لیکن ہم سب کو تو زاہد بننا نہیں ہے۔ ہم راجہ کے بیٹے ہیں اور بڑے ہو کر ہمیں شہزادہ ہی بننا ہے۔ ہمیں پڑھنے لکھنے میں اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔''

لیکن سب سے چھوٹے بیٹے نے کہا، ''میں اس کتاب میں لکھی کہانی جاننا چاہتا ہوں۔''

کچھ ہفتوں کے بعد سب سے چھوٹا بیٹا اپنی ماں کے پاس آیا اور مُسکراتے ہوئے بولا، ''کیا میں ایک بار پھر اُس کتاب کو دیکھ سکتا ہوں؟''

رانی نے ایک الماری، جس میں وہ اپنی قیمتی اشیا سنبھال کر رکھتی تھی، کا تالا کھول کر کتاب نکالی اور اپنے بیٹے کو تھما دی۔ شہزادے نے بہت احتیاط سے کتاب پکڑی اور اُس کا پہلا صفحہ کھولا۔ پھر اُس نے اُس صفحہ پر لکھا پہلا لفظ پڑھا۔ آہستہ آہستہ اُس نے کتاب میں لکھی پوری کہانی باآواز بلند پڑھ لی۔ پوری کہانی پڑھنے کے دوران اُس نے ایک بھی غلطی نہیں کی۔

اُس کی ماں حیرت سے بولی، ''تم نے پڑھنا کیسے سیکھا؟''

بیٹے نے کہا، ''میں ایک زاہد کے پاس گیا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ مجھے پڑھنا سکھائیں۔ میں پچھلے چند ہفتوں سے روز پڑھنا سیکھ رہا ہوں۔ یہ سیکھنا آسان نہیں تھا کہ ہر

لفظ کس آواز سے پہچانا جاتا ہے اور اُن کی ترکیب سے بنے الفاظ کی آواز کون سی ہوتی ہے۔ زاہد نے آج مجھ سے کہا کہ اب میں بالکل صحیح صحیح پڑھ سکتا ہوں۔"

اُس کی ماں بے حد خوش ہوگئی۔ اِس درمیان بقیہ تینوں بیٹے بھی وہاں آ گئے کیونکہ اُنھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو باآواز بلند کتاب پڑھتے ہوئے سن لیا تھا۔

وہ تینوں اپنے چھوٹے بھائی کا مذاق اُڑانے لگے کیونکہ اُس نے پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ اُن میں سے ایک نے کہا، "ہم سب بڑے ہوکر شہزادے بنیں گے، لیکن تم صرف زاہد بننے کے لائق رہو گے۔"

ماں نے اُن کے طعنوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کتاب اُٹھائی اور اُسے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو دیتے ہوئے بولی، "تم نے یہ انعام جیت لیا ہے۔ اب یہ کتاب تمہاری ہے۔ اس بات کی فکر مت کرو کہ تم بڑے ہوکر راجہ بنو گے یا زاہد، کیونکہ تم چاہے جو کچھ بھی کرو گے، تمہاری پڑھنے کی صلاحیت تمھیں ذہین اور عظیم ضرور بنا دے گی۔"

اُس کی ماں کا یہ قول صحیح ثابت ہوا اور وہ لڑکا آگے چل کر انگلینڈ کے سب سے ذہین اور عظیم بادشاہوں میں سے ایک بنا، وہ الفریڈ دی گریٹ یعنی عظیم الفریڈ کے نام سے جانا گیا۔ اُس کی حصولیابیوں میں سے ایک تھی اپنی ریاست میں تعلیم کو فروغ دینا۔

اس کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسے ہمیں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے حقیقی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ چھوٹے شہزادے نے کچھ حاصل کرنا چاہا اور اُس نے اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے سخت محنت کی چاہے دوسرے لوگ اُس کا مذاق اُڑاتے رہیں یا طعنہ دیتے رہیں۔ اُس نے اپنے لیے ایک ایسا ہدف منتخب کیا جو آسان نہیں تھا، لیکن اُسے حاصل کر لینے سے علم کی دولت ملی۔ اُس نے اُس راستے سے الگ ہٹنے کا فیصلہ کیا جس پر باقی سب لوگ چل رہے تھے اور دوسروں کی تنقید کے باوجود وہ اپنے منتخب راستے پر آگے بڑھتا گیا۔ اُس نے سخت محنت کے ذریعے کامیابی حاصل کی۔ اُس نے ایک ایسا استاد بھی تلاش کر لیا جو اُسے اُس کے ہدف تک پہنچنے میں معاون ہو سکا۔ پھر اُس نے کئی ہفتوں تک محنت سے پڑھنا سیکھا، تاکہ اُس کتاب میں لکھی دلچسپ کہانی کو جان سکے۔ اُس نے روزانہ کئی گھنٹے محنت کی اور ایسے ہی کئی دنوں تک لگاتار محنت کرنے کے بعد اُس نے پڑھنے کے

ہنر میں مہارت حاصل کرلی۔ پھر اُس نے خوشی خوشی اپنا انعام حاصل کیا اور اُس کے ذریعے ملنے والے علم بھی حاصل کیا۔

ہمارے سامنے بھی ایک ایسا ہی چیلنج ہے جیسا اُس شہزادے کے سامنے تھا۔ ہم نے ایک ایسی کتاب پڑھنے کا فیصلہ کیا ہے جسے دُنیا میں بہت ہی کم لوگوں کو پڑھنا آتا ہے۔ ہم زندگی کی کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، جو ایسے کئی رازوں پر سے پردہ اُٹھاتی ہے جن سے عام لوگ انجان ہیں۔ زندگی کی اس کتاب کو پڑھ کر ہم جان سکتے ہیں کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں، ہم کہاں سے آئے ہیں، اس زندگی کے آخر میں ہمیں کہاں جانا ہے اور زندگی کی اس کتاب کو لکھنے والا کیا کوئی مصنف ہے۔ زندگی کی اس کتاب کو پڑھنے کے لیے ہمیں باہری آنکھوں اور کانوں کے مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے اور اپنی زندگی کی لامحدود کہانی کو جاننے کے لیے ہمیں مراقبہ کے ذریعے اپنے اندرون میں جانا ہوگا۔ اُس شہزادے کا کام تھا صفحات پر لکھے الفاظ کو پڑھنا۔ ہمارے مراقبے کا کام ہے آنکھیں بند کر کے بیٹھنا، اندرونی روشنی کو دیکھنا نیز اندرونی آواز کو سننا۔ اندرون میں دیکھنے اور سننے کی لگاتار کوشش کرنے سے ہم اپنی زندگی کی اصل کہانی کو جان پائیں گے، جو رُوح اور خُدا کے تعلق کی کہانی ہے۔ ہم اس جسم اور باہری دُنیا کے شعور سے اُوپر اُٹھ جائیں گے نیز ملکوتی حسن اور نُور سے لبریز اندرونی حلقوں کے نظارے دیکھ پائیں گے۔ جیسے جیسے ہماری رُوح اعلیٰ ترین رُوحانی حلقوں میں اُڑان بھرتی جائے گی، ویسے ویسے ہماری زندگی کی لافانی کہانی ہمارے سامنے کھلتی چلی جائے گی۔ ہم رقیق مادّہ، اسباب اور حلقۂ اسبابِ عالیہ کو پار کرتے ہوئے بالآخر اُس اعلیٰ ترین رُوحانی حلقے میں پہنچ جائیں گے جہاں ہمارا اتصال زندگی کی کتاب کے مصنف یعنی خُدا کے ساتھ ہو جائے گا۔

اُس شہزادے نے خوش قسمتی سے پڑھنا نہیں سیکھا۔ اُس کے حصولِ مقصد کا سبب تھا ایک قابل استاد تلاش کرنا اور اپنی طرف سے سخت محنت کرنا۔ وہ عرصے تک روزانہ کئی گھنٹے پڑھنا سیکھتا رہا، جب تک اُسے کامیابی نہیں مل گئی۔ ہمیں بھی رُوحانیت کے راستے پر ایسا ہی کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم کسی ایسے تجربہ کار استاد سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں، جو ہمیں خُدا کے حصول کا طریقہ سکھا سکے۔ پھر جب ہمیں ایک ایسا استاد مل جائے جو ہمارے

ہدف تک پہنچنے میں ہماری مدد کرسکتا ہو، تب ہمیں خود بھی محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ سب کچھ قسمت سے ملتا ہے۔ ہماری زندگی کا پچھتّر فیصد حصہ ہمارے پچھلے اعمال کے مطابق طے شدہ ہوتا ہے، یعنی ہمارے پچھلے جنموں کے خیالات، وعدوں اور اعمال کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ لیکن ہماری زندگی کا پچیس فیصد حصہ اپنی خواہش کے تحت آتا ہے، جس میں ہم اپنی مرضی کے مطابق عمل کرسکتے ہیں۔ اس خواہش کا استعمال کرکے ہم یا تو خُدا کی سمت جاسکتے ہیں، یا ہم اُس سمت جاسکتے ہیں جو ہمیں ہمیشہ ہمیش کے لیے چوراسی لاکھ مخلوقات کے چکر میں اور اعمال کے جال میں پھنسائے رکھے گا نیز جس کے تحت ہمارے خیالات، وعدے اور اعمال ہمیں بار بار اس مادّی دُنیا میں لاتے رہیں گے۔ ضابطۂ اعمال کے مطابق ہم چاہے اچھّے عمل کریں یا بُرے، اُن کا اچھّا یا بُرا پھل لینے کے لیے ہمیں بار بار اِس دُنیا میں آتے رہنا پڑے گا۔ خُدا کے پاس واپس جانے کے لیے ہمیں اس چوراسی کے چکر سے باہر نکلنا ہوگا۔ اس کے لیے ہمیں محنت کرنی ہوگی۔ خُدا کو پانے کے لیے جو کوشش ہمیں کرنی ہے، وہ ہے اندرنی روشنی اور سماعت پر ذہن مجتمع کرنا۔ اس میدان میں صرف ایک بار کوشش کرلینا کافی نہیں ہے۔ ہمیں روزانہ کم سے کم ڈھائی گھنٹے مراقبہ ضرور کرنا ہوگا اور یہ عمل ہمیں دِنوں، مہینوں، سالوں تک لگاتار کرنا ہوگا۔ سچّی لگن کے ساتھ لگاتار کوشش کرکے ہم ضرور خُدا کو پالیں گے۔

ست سنگ میں آنے اور مراقبہ کرنے سے ہم زندگی کی کتاب کو پڑھنے کے ہنر میں ماہر ہوجاتے ہیں، جو صرف ہماری اندرونی آنکھ کے ذریعے پڑھی جاسکتی ہے۔ جس طرح شہزادے نے پوری لگن اور محنت کے ساتھ پڑھنا سیکھا، تاکہ باہری کتاب کو پڑھ سکے، اُسی طرح ہمیں بھی پوری لگن اور محنت کے ساتھ مراقبہ کرنا ہوگا، تاکہ ہم بھی رُوح اور خُدا کے راز سے متعلق زندگی کی اندرونی کتاب کو پڑھ سکیں۔ تبھی ہم وہاں تک پہنچ سکیں گے جہاں اِس راستے پر ہم سے پہلے گئے لوگ پہنچ چکے ہیں۔ تبھی ہم جان پائیں گے کہ ہدف کو حاصل کرنے میں قسمت کا نہیں، بلکہ مکمّل جذبے اور مسلسل کوششوں کی اہمیت ہوتی ہے۔ ہم بھی آج ہی سے خُدا کو پانے کے لیے حقیقی کوشش کرسکتے ہیں۔ آیئے، ہم روزانہ خلوص اور اجتماعِ ذہن کے ساتھ ڈھائی گھنٹے مراقبہ کریں۔ اگر ہم اپنی کوششوں میں باقاعدگی سے

لگے رہیں گے تو ہم خُدا کی شفقت کو متوجہ کر سکیں گے اور ہمیں اندرون میں اور زیادہ ترقی حاصل ہوگی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہم ضرور کامیابی حاصل کر لیں گے نیز اپنے بہترین انعام یعنی اتصالِ خُدا کو پا لیں گے۔

ایک بار کوئلے کی کھان میں کام کرنے والے ایک مزدور کو کھان میں ایک پودا اُگا ہوا دِکھائی دیا۔ اُس کا بیج کھان کے گہرائی میں پھوٹا ہوا تھا۔ عام طور پر اِس طرح کا پودا صرف چھ اِنچ تک بڑھتا ہے۔ لیکن یہ پودا اُوپر روشنی تک پہنچنے کے لیے ایک سو بیس فٹ کی اُونچائی تک اُگ گیا تھا۔ ذرا سوچیے، اُس پودے کو سورج کی روشنی تک پہنچنے کے لیے کتنی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، یہاں تک کہ اپنی زندگی کو بچانے کے لیے اُس نے اپنے محدود قد پر بھی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اگر ایک پودا اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اتنی زیادہ محنت کر سکتا ہے کہ چھ اِنچ سے بڑھ کر ایک سو بیس فٹ کی اُنچائی حاصل کر لے، تو ہمیں بھی اپنے رُوحانی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اور اندرونی حلقوں کا سفر کرنے کے لیے مکمل کوشش اور محنت کرنی چاہیے۔ ہمیں بھی لگا تار اندرونی روشنی کی طرف بڑھتے رہنا چاہیے، چاہے ہمارے راستے میں کتنی ہی رُکاوٹیں کیوں نہ آئیں۔

اِس شعرے میں سنت درشن سنگھ جی فرما رہے ہیں، ”میرے اندر اتنا جوش اور لگن تھی کہ چاہے میرے راستے میں بڑے بڑے طوفان، مسائل اور مشکلات آتی رہیں، میں اُن سے ہار مان کر اپنے راستے سے نہیں ہٹا۔ میں لگا تار اپنی منزل کی جانب آگے بڑھتا رہا۔“

اِس کے لیے ضروری یہ ہے کہ ہم منزلِ محبوب تک پہنچنے کا ہدف ہر وقت اپنے سامنے رکھیں، اس سے اپنے ذہن میں، اپنے دل میں اور اپنی رُوح میں بسا لیں۔ اگر ہم اپنے ہدف کو لے کر بالکل واضح ہوں گے، تو ہم کسی بھی چیز کو اپنے مراقبہ میں رُکاوٹ نہیں بننے دیں گے۔ ہم روزانہ مراقبہ میں بیٹھنے کو اپنی اوّلین ترجیح بنا لیں۔ ہم یہ بھی سمجھ جائیں گے کہ اگر ہم مراقبہ کے وقت خیالات سے نجات حاصل کر کے اندرون میں ذہن کو مجتمع کرنے کے بجائے صرف آنکھیں بند کر کے بیٹھیں رہیں گے اور کچھ نہ کچھ سوچتے رہیں گے، تو ہم صرف اپنا وقت ضائع کریں گے۔ اِس کے بجائے ہمیں مکمل اجتماعِ ذہن کے ساتھ مراقبہ کرنا چاہیے اور خیالات کو دن کے بقیہ اوقات کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ ہمیں اپنے مراقبہ

کے وقت کی حفاظت کرنا چاہیے، تا کہ کوئی بھی چیز اُس میں خلل نہ ڈال سکے۔

اِس دُنیا میں جب ہم اپنے دُنیاوی محبوب سے ملنے جاتے ہیں، تو کوئی بھی چیز عاشق کو روک نہیں پاتی ہے۔ وہ اُونچے پہاڑوں پر چڑھ جاتا ہے، سمندری طوفان کو پار کر جاتا ہے اور غذا اور آسائش کے بغیر بھی لمبے لمبے سفر کر لیتا ہے، تا کہ جلد سے جلد اپنے محبوب کی بانہوں میں پہنچ سکے۔ دُنیا کی کوئی بھی طاقت عاشق کو اپنی معشوقہ کے دروازے تک پہنچنے سے نہیں روک پاتی۔ عاشق کے لیے یہ محاورہ درست ہے، ''رُکاوٹ وہ چیز ہے جو تمھیں تب دِکھائی دیتی ہے جب تمہاری نظر ہدف سے ہٹ جاتی ہے۔'' اس لیے سچّے عاشق کو کوئی بھی رکاوٹ دِکھائی نہیں دیتی۔

کسی شاعر نے کہا ہے کہ اگر محبوب کا گھر سمندر کے عین درمیان میں ہوتا یا محبوب کے گھر کی طرف جانے والا راستہ سینکڑوں سانپوں، خطرناک شیروں اور چیتوں سے بھرا ہوا ہوتا یا اُس راستے پر ملک الموت خود کھڑا ہوتا، تب بھی ایک سچّا عاشق اپنی معشوقہ کے گھر جانے والے راستے سے پیچھے نہ ہٹتا۔ ایک سچّے عاشق کو منزلِ محبوب تک پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

آیئے، ہم سب منزلِ محبوب کی طرف بڑھتے چلے جائیں۔ وہاں ہم اپنے محبوب کو، اپنے پیارے معشوق کو اپنا انتظار کرتا ہوا پائیں گے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہم نے جو بھی مشکلیں اور تکلیفیں برداشت کی ہوں گی، وہ سبھی ملن کے لُطف میں کھو جائیں گی۔ ہم راستے میں آنے والی سبھی رُکاوٹوں پر فتح حاصل کر لیں گے نیز کامیابی سے اپنے مقصد کی طرف بڑھتے چلے جائیں گے۔ خُدا کے کرم سے ہم سبھی کو رُوحانیت کے راستے پر آنے والی رُکاوٹوں کا سامنا کرنے کا حوصلہ ملے، تا کہ ہم بھی منزلِ محبوب پر پہنچ کر سکون اور لُطف کا احساس کر سکیں۔

باب–4

وہ خوش نصیب جس کو تیرا آستاں ملے

پھر کیوں کرے تلاش کوئی اور آستاں
وہ خوش نصیب جس کو تیرا آستاں ملے

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

اس شعر میں سمجھایا جا رہا ہے کہ جب ایک بار ہمیں صحیح راستہ مل جائے اور ہم خُدا کو پانے کے اپنی رُوحانیت کے سفر پر نکل پڑیں، تو ہمیں اُس راستے سے ہٹنا نہیں چاہیے۔ اُس راستے کی تلاش میں بہت وقت، محنت اور توانائی صرف ہوئی تھی۔ تلاشِ بسیار کے بعد بالآخر ہمیں وہ راستہ ملا تھا، جو ہمیں ہمارے رُوحانی ہدفتک پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اُس راستے کو تلاش کر لینے کے بعد بھی اگر ہم اپنی تلاش جاری رکھیں، تو ہم اپنی توانائی، وقت اور محنت کو بیکار ضائع کریں گے، جن کا صحیح استعمال ہمیں رُوحانی ہدف کے قریب پہنچا سکتا ہے۔

ایک بار ہمیں صحیح راستہ مل جائے، تو ہمیں اُس پر چلتے رہنا چاہیے۔ یہ شعر کہہ رہا ہے کہ وہ لوگ خوش قسمت ہیں جو اپنے مقصد سے منحرف نہیں ہوتے۔ آج دُنیا میں سات ارب سے بھی زیادہ لوگ رہتے ہیں۔ اُن میں سے بہت کم لوگ اِس رُوحانیت کے سفر پر جاتے ہیں۔ اگر ہم خُدا کی طرف لوٹ جانے والے راستے کی تلاش کر رہے ہیں، تو ایک بار اُس راستے کو تلاش کر لینے کے بعد ہمیں اُس سے ہٹنا نہیں چاہیے۔ جس طرح عظیم الفریڈ نے ایک زاہد کی تلاش کی جس نے اُسے پڑھنا سکھایا، اُسی طرح ہم بھی ایک ایسی بیدار شخصیت یعنی مُرشدِ کامل کی تلاش کر سکتے ہیں جو ہماری رُوح کو خُدا کے طرف لوٹانے کی

طاقت رکھتی ہو۔ ایک بار ایسے مُرشد کی پناہ میں آ جانے کے اور صحیح راستہ مل جانے کے بعد ہمیں یہاں وہاں بھٹکنا نہیں چاہیے۔

سنت درشن سنگھ جی سمجھا رہے ہیں کہ ہمارے پاس برباد کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ ہم سب کا عرصۂ حیات محدود ہے، خواہ ساٹھ سال تک زندہ رہیں یا اسّی سال تک یا اِس سے بھی زیادہ سالوں تک، لیکن ایک نہ ایک دن ہم میں سے ہر ایک کو یہ مادّی جسم چھوڑ دینا ہے اور اِس دُنیا سے چلے جانا ہے۔ اسی لیے ایک بار جب ہمیں صحیح راستہ مل جائے، تو ہمیں مضبوطی کے ساتھ اُس پر چلتے رہنا چاہیے۔ وہ فرما رہے ہیں، ''پھر کیوں کرے تلاش کوئی اور آستاں، وہ خوش نصیب جس کو تیرا آستاں ملے۔''

ہماری سیرابی تبھی ہوتی ہے جب ہم خُدا کو حاصل کر لیتے ہیں۔ رُوح کو تب تک سکون نہیں ملتا جب تک وہ خُدا کے پاس لوٹ نہیں جاتی۔ رُوح ایک ایسی مچھلی کے مانند ہے جو دریا کے بہاؤ سے اُلٹی سمت میں تیرتی ہوئی اُس کے منبع اور سرچشمہ تک پہنچنا چاہتی ہے۔ اس شعر میں کہا جا رہا ہے کہ ایک بار خُدا کو حاصل کر لینے کے بعد ہمیں کسی اور آستانے یا دَر کی تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ خُدا جو کہ تمام علوم، عشق اور لُطف کے سرچشمہ ہیں، رُوح کی ہر خواہشات کی تکمیل کر دیتے ہیں۔ ایک بار خُدا کو پالینے کے بعد ہمارے اندر سے دُنیاوی کشش کی چاہت ختم ہو جاتی ہے۔ جب ہم خُدا کے پاس لوٹ جاتے ہیں، اِس دُنیا کی تمام چیزیں حقیر و ذلیل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ دُنیا صرف خُدا کے عکس کا عکس ہے۔ جب ہمیں اصلی پھول مل جائے، تو نقلی پھول کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

خُدا ہمارے پاس تھے، لیکن ہم نے اُنھیں اس مادّی دُنیا کی عارضی اور لمحہ بھر کی خوشیوں کے لیے چھوڑ دیا۔ اِس شعر میں بتایا جا رہا ہے کہ ایک بار جب ہم دوبارہ خُدا کو حاصل کر لیتے ہیں اور واپس اُن کی گود میں پہنچ جاتے ہیں، تو پھر ہمیں کسی اور چیز کی تلاش نہیں کرنی چاہیے اور ہمیشہ کے لیے اُن کے آستانے پر رہ جانا چاہیے۔ کلید یہ ہے کہ ہمیں وہ صحیح راستہ ملے جو ہمیں خُدا تک لے جا سکے۔ ہم چاہیں تو اپنا سفر سست رفتاری سے کر سکتے ہیں یا بہت تیز رفتاری سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کون سا راستہ ہمیں سیدھے خُدا کے دَر تک پہنچا سکتا ہے۔

منزلِ محبُوب

ہمیں کسی بھی چیز پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ خُدا کے پاس واپس جانے کے لیے ہم جس راستے کا انتخاب کریں، ہمیں اُس کے صحیح اور کامل ہونے کا ثبوت حاصل کرنا چاہیے۔ یہ ثبوت اندرونی روشنی وصدا کے احساس کے طور پر ہوسکتا ہے یا ہماری رُوح کے اندرون میں ترقی کے روپ میں ہوسکتا ہے یا اندرون میں ہمارے مُرشد کی نوری ہیئت کے دیدار کے رُوپ میں ہوسکتا ہے۔ اس شعر میں پوچھا جارہا ہے کہ جب ایک بار ہمیں وہ دَر مِل جاتا ہے جہاں سے ہمیں پکّا ثبوت حاصل ہوجاتا ہے، تو پھر ہمیں کسی اور دَر کی تلاش کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ جب ہم خُدا کے پاس واپس پہنچ جاتے ہیں، تو ہماری رُوح کی سیرابی ہوجاتی ہے اور ہم جاوداں سکون، لُطف اور عشق کو پالیتے ہیں۔

جب بھی ہم کسی رُوحانی پروگرام میں حصّہ لینے کے لیے جائیں، تو ہمیں اُس وقت کا پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ اِس میں شامل ہیں مراقبہ کرنا، ست سنگ سننا، بے غرض خدمت کرنا نیز اپنی طرف آنے والی رُوحانی نمو اور ملکوتی لہروں کو پوری طرح جذب کرنا۔ اِس کا مطلب ہے کہ ہمیں اپنے ذہن کو روکنا چاہیے کہ وہ طرح طرح کے خیالات بھیج کر ہمیں ایک دَر سے دوسری دَر تک نہ بھٹکائے۔ ذہن کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ہم اپنی توجّہ منزلِ محبوب سے ہٹا کر منزلِ مَن کی طرف مبذول کرلیں، جو کہ دُنیاوی خواہشات اور خیالات سے لبریز ہے۔ جب بھی ہم کسی رُوحانی پروگرام میں حصّہ لیں، تو ہمیں اُس کا پورا فائدہ تبھی حاصل ہوگا جب ہم اپنا ذہن منزلِ محبوب پر ٹکائے رہیں، نہ کہ منزلِ مَن کی طرف۔ خواہشات کی جانب متوجّہ ہونے سے ہمارا ذہن حصولِ خُدا کے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔ ہمیں ذہنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر اپنے غیر مرئی معشوق یعنی رُوحانی محبوب کی جانب سے آنے والے ماورائی عشق میں ڈُوب جانا چاہیے۔ ایسا کر کے ہم منزلِ محبوب پر اعلیٰ ترین لُطف سے لبریز سچی رُخصت پر جاپائیں گے۔

باب—5

نظریں تلاش کرتی رہیں وہ سُکون کے لمحے

نظریں تلاش کرتی رہیں جن کو عمر بھر
درشن کو وہ سُکون کے لمحے کہاں ملے

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

اِس شعر میں اُس سکون اور اطمینان کے بارے میں بتایا جار ہا ہے جو ہمیں خُدا کی نظروں سے حاصل ہوتا ہے، وہ نظریں چاہیں سیدھے حصولِ خُدا کے وقت ملیں یا ایک کامل شخصیت کے دیدار کے وقت اُن کی ملکوتی نگاہوں کے ذریعے ملیں۔ مُرشد کی آنکھیں وہ سمندر ہوتی ہیں جن سے رُوحانیت کا ظہور یا رُوحانی کرنیں نکلتیں ہیں اور ہمیں رُوحانی اطمینان وسکون پہنچاتی ہیں۔

اندرونی حلقوں میں جانے کے لیے ہمیں پوری طرح سے مطمئن اور مستحکم ہونے کی ضرورت ہے۔ سنت درشن سنگھ جی ہمیں سمجھا رہے ہیں کہ خُدا کے ربط سے حاصل ہونے والا ابدی سکون اِس مادّی دُنیا میں ملنے والے سکون سے بہت الگ ہوتا ہے۔

ہم اپنے گھروں، اپنے قبیلے اور دُنیا میں سکون چاہتے ہیں۔ اگر سکون نہ ہو، تو پریشان اور غیر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اکثر سکون کا احساس تب ہوتا ہے جب ہم فطرت کی گود میں، اپنے گھر کی خاموشی میں یا اپنے گھر والوں اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں یا وہ چیز کرتے ہیں جو ہمیں پسند ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں اُونچے پہاڑوں کو دیکھنے، کسی دریا کے پانی کی آواز یا کسی باغیچے میں پھولوں کی خوشبو سے سکون حاصل ہوتا ہو۔

منزلِ محبُوب

ہوسکتا ہے کہ ہمیں اپنے عزیزوں کے ساتھ وقت گزارنے میں یا کوئی پسندیدہ کام کرنے میں سکون ملتا ہوا۔ لیکن یہ سبھی خوشیاں چند لمحوں کی ہوتی ہیں، کیونکہ ہماری زندگی رُکاوٹوں کی ایک سیریز ہے، ہماری زندگی میں لگاتار اُتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ روزانہ کوئی جسمانی، اقتصادی یا رشتے داروں سے متعلق نیا چیلنج ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ جو بھی سکون کے لمحات ہم اس مادّی دُنیا میں محسوس کرتے ہیں، وہ لمحاتی اور عارضی ہوتی ہیں۔

مستقل سکون ہمیں تبھی حاصل ہوسکتا ہے جب ہماری رُوح، روحِ عالیہ میں جذب ہوجاتی ہے۔ تب ہم سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا اصلی رشتہ صرف خُدا کے ساتھ ہے اور یہ دُنیا ایک لمحاتی خواب ہے۔ جب ہم خود کو اس دُنیا کے ساتھ منسلک کر لیتے ہیں، تو ہم زندگی کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ دُکھی اور خوش ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن جب ہم خود کو خُدا کے ساتھ منسلک کر لیتے ہیں، تو ہر وقت سکون کا احساس کرتے ہیں۔ یہ سکون ہر لمحہ ہمارے اندر بنا رہتا ہے، چاہے ہم دُنیاوی مسائل کا سامنا کر رہے ہوں۔ ہم ہر پل خُدا کے ماورائی عشق سے لبریز رہتے ہیں۔ اُس حالت میں پہنچنے تک، ہم ''ریت میں نقشِ قدم'' والے شخص کی مانند رہتے ہیں۔ ایک بار ایک شخص کو لگا کہ جب بھی وہ خُدا کے رابطے میں ہوتا تھا یا اُن کی موجودگی کو محسوس کرتا تھا، تو اُسے ریت میں نقشِ قدم کے دو جوڑے نیز چار نقشِ قدم دِکھائی دیتے تھے۔ لیکن جب بھی وہ کسی مصیبت یا تکلیف میں ہوتا تھا، تو اُسے ریت میں نقشِ قدم کا صرف ایک جوڑا یا دو نقشِ قدم ہی نظر آتے تھے۔ اُس نے خُدا سے شکایت کی کہ خُدا نے مصیبت کے وقت اُس کا ساتھ کیوں چھوڑ دیا تھا، کیونکہ اُسے صرف دو نقشِ قدم نظر آ رہے تھے۔ خُدا نے اُسے بتایا کہ اُسے دو نقشِ قدم اِس لیے دِکھائی دے رہے تھے کیونکہ مصیبت کے وقت خُدا اُسے اپنے کندھوں پر اُٹھا کر چل رہے تھے۔ اسی طرح خُدا ہمیں بھی ہر وقت سہارا دے رہے ہیں، لیکن ہم اِس حقیقت سے ناواقف ہیں۔ مراقبہ کے ذریعے ہم خود اِس حقیقت کا احساس کر سکتے ہیں، ہم جان سکتے ہیں کہ خُدا ہمارے اندر ہیں اور ہر لمحہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔

مُرشد کی آنکھوں سے چھلکنے والا عشقِ خُدا ہمیں اُس لامحدود سکون کا احساس کرنے کی طاقت فراہم کرتا ہے جو اندرون میں ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ وہ رُوحانی نظریں ہمیں

منزلِ محبوب پر ملتی ہیں۔ وہ ہماری رُوح کو ماورائی نموفراہم کر کے اسے اندرونی حلقوں میں لے جاتی ہیں۔ سنت درشن سنگھ جی اُن نظروں کی تعریف کرر ہے ہیں، کیونکہ اُن میں وہ رُوحانی طاقت ہوتی ہے جو ہماری رُوح کو اُوپر اُٹھا کر خُدا کے پاس پہنچا دیتی ہے۔ وہ نظر ایک مقناطیس کے مانند ہماری رُوح کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ ہماری رُوح اس شدید کشش کو نظرانداز نہیں کر پاتی۔ اُس کی دلچسپی دُنیاوی کشش سے ہٹ جاتی ہے کیونکہ اُسے اُس ملکوتی نظر سے بہت عشق اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

وہ نظر مراقبہ کے دوران ہمیں اپنے مقامِ روح یعنی اندرونی آنکھ پر مرکوز ہونے میں اور خُدا کے نوُر وصدا کا احساس کرنے میں مدد کرتی ہے۔ وہ ملکوتی نظر ہمارے شعور کو حواس کے گھاٹ سے اُوپر کھینچ کر اندرونی آنکھ پر مرکوز کر دیتی ہے۔ جب ہمارا ذہن پوری طرح سے اُس ٹھکانے پر مرکوز ہو جاتا ہے، تو ہم اندرون میں خُدا کے نوُر کو دیکھ پاتے ہیں اور خُدا کی صدا کو سن پاتے ہیں۔ اُس ملکوتی نوُر کی لہروں میں پوری طرح ڈُوب جانے سے ہم اندرون میں مُرشد کی نوُری ہیئت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اُن کی نظر رُوحانی مستی سے لبریز ہوتی ہے نیز ہماری رُوح کو اور بھی اُوپر لے جاتی ہے۔ ہم رقیق مادّہ، اسباب اور حلقۂ اسبابِ عالیہ (کائنات) کو پار کرتے ہوئے بالآخر خُدا کے دربار 'سچ کھنڈ' پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں ہم خُدا کی مکمل اعلیٰ ترین ہیئت کا دیدار کرتے ہیں اور اُن میں جذب ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ کوئی نظر دینے والا رہ جاتا ہے اور نہ کوئی نظر لینے والا رہ جاتا ہے، کیونکہ دونوں مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اُس لمحے ہم اتنے لطف اندوز، مست اور عشق سے لبریز ہو جاتے ہیں جس کا ہم نے کبھی تصوّر بھی نہیں کیا ہوتا۔ ہم وقت اور مقام کی بندشوں والی اس دُنیا سے اُوپر اُٹھ کر آفاق میں جینے لگتے ہیں۔

مُرشد سے آنے والی رُوحانی نظریں ہمیں اپنی اصلی رُوحانی ہیئت کو پہچاننے میں مدد کرتی ہے۔ وہ ہمیں مادّہ سے اُوپر اُٹھا کر ملکوت کی جانب لے جاتی ہیں، تاکہ ہماری رُوح خُدا سے مل سکے، اُن کا احساس کر سکے اور اُن میں جذب ہو سکے۔ تب ہمارا وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے جس کے لیے ہم اس دُنیا میں آئے ہیں۔

جب ہم منزلِ محبوب پر رُوحانی رُخصت لیتے ہیں، تو ہمیں خُدا کا احساس کرنے

اور سکون کی حالت میں پہنچنے کے بہت سے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ ہمیں صبح، دوپہر اور شام کو مراقبہ کرنے نیز مراقبہ کی راہ کو بہتر طریقے سے سمجھنے کے کئی مواقع ملتے ہیں۔

میں درخواست کرتا ہوں کہ جو کوئی بھی رُوحانی مجلس یا پروگرام میں حصّہ لینے کے لیے آئے، اُسے شفقت سے لبریز وہ نظر مل جائے، جس کی تلاش ہم سبھی کر رہے ہیں، تاکہ ہم سب اندرونی سفر پر جا کر منزلِ محبوب تک پہنچ سکیں اور لطفِ جاوداں اور عشقِ حقیقی سے شرابور ہو سکیں۔

حصّہ–2

بیداری
کا
ملکوتی علم

باب—6

نوائے آگہی کو سُن کر

سلام اے پیرِ میخانہ!
سلام اے پیرِ میخانہ!
تری آواز نے خوابیدہ صدیوں کو جگایا ہے
ترے نغموں کو سُن کر طائرِ دِل چہچہایا ہے
نوائے آگہی پر جھُوم جھُوم اُٹھا ہے دیوانہ

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

سنت درشن سنگھ جی مہاراج کی شاعری اتنی تہہ دار ہے کہ جب بھی ہم اُن کے اشعار پڑھتے ہیں، ہمیں اُن میں کوئی نیا معنیٰ مل جاتا ہے، جو اکثر ہماری زندگی کے اُن حالات سے متعلق ہوتا ہے جن سے ہم گزر رہے ہوتے ہیں۔ کامل سنتوں کے اقوال کبھی پرانے نہیں ہوتے۔ جب کبھی ہم اُنھیں پڑھتے ہیں اور ان کی جانب دھیان دیتے ہیں، چاہے وہ حال ہی میں لکھے گئے ہوں یا ہزاروں سال پہلے، وہ سچ ہوتے ہیں اور ہمیں صحیح طریقے سے زندگی گزارنے کا راستہ دِکھاتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ ہم کس طرف اپنا وقت لگائیں اور کیسے جلد سے جلد اپنے مقصد تک پہنچ کر طمانیتِ قلب حاصل کریں۔

ہر شخص کی زندگی میں ایک ایسا وقت آتا ہے جس میں ہمیں کوئی الٰہی یا ملکوتی تجربہ ہوتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دُنیا میں آنے کا کوئی اعلیٰ ترین مقصد ہے۔ روزانہ جاگنے، تیّار ہونے، کام پر جانے، کھانے اور سونے جیسے عام روزمرّہ کاموں کے بیچ اچانک ہمیں

بیداری کا ملکوتی علم

محسوس ہوتا ہے کہ زندگی میں اس سے بڑھ کر بھی کچھ ہے۔ یہ لمحہ ہمارے بچپن، نوجوانی، جوانی یا ادھیڑ عمر میں کبھی بھی آ سکتا ہے۔ کچھ لوگوں کی زندگی میں یہ لمحہ ادھیڑ عمر میں آتا ہے۔ جب بھی یہ لمحہ آتا ہے، یہ ہمیں اندر سے بدل دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، جب ہمارے خاندان کے کسی رُکن کی موت ہوتی ہے—اور جتنے زیادہ وہ ہمارے قریب ہوتے ہیں، اُتنے ہی زیادہ ہم اُن کی موت سے متاثر ہوتے ہیں—تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ یہ مادّی زندگی کتنی عارضی ہے۔ یا جب کبھی ہمیں کوئی زبردست صدمہ لگتا ہے، جیسے جسمانی جانچ کے دوران اگر ڈاکٹر بتائے کہ ہمیں کوئی سنگین بیماری ہے، تو ہم زندگی اور اُس کے معنی کے بارے میں سوچنے لگ جاتے ہیں۔ یا ہوسکتا ہے کہ ہم کسی عظیم شخصیت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اچانک اپنی خوشی کا احساس کرنے لگیں جتنی ہم نے پہلے کبھی نہ کی ہو۔ ایسے مختلف احساسات ہیں جو ہم میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔ ہمارے اندر سوال اُٹھنے لگتے ہیں کہ ہم کون ہیں، ہم یہاں کیوں آئے ہیں، موت کے بعد ہم کہاں چلے جاتے ہیں اور آخر اس زندگی کا مقصد کیا ہے۔ ایک بار جب یہ سلگتے سوالات ہمارے اندر پیدا ہو جاتے ہیں، تو پھر اِن سے منہ موڑنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہمیں تب تک سکون نہیں ملتا جب تک ہمیں ان سوالوں کے جواب نہیں مل جاتے۔ اِس غزل میں سنت درشن سنگھ جی اُس لمحے کی بات کر رہے ہیں جب ہمارے اندر یہ سارے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور ہم اِن کے جوابات کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ انھوں نے خود اپنے رُوحانی مُرشدوں، حضور بابا ساون سنگھ جی اور سنت کرپال سنگھ جی کی شفقت و رہنمائی سے اپنا رُوحانی سفر پورا کیا اور خُدا میں منسلک ہو گئے۔ اُنھوں نے اپنی تعلیمات، کتابوں اور شاعری میں اپنے انہی شخصی رُوحانی احساسات کی تشریح کی ہے اور واضح کیا ہے کہ کس طرح ہم بھی دائمی لُطف کی حالت میں پہنچ سکتے ہیں۔

پہلے مصرعے میں کہا گیا ہے، ''سلام اے پیرِ میخانہ!'' یہ مصرع پوری غزل میں گیت کی طرح بار بار دوہرایا گیا ہے۔ اِس میں اُس ہستی کے تئیں شکر گزاری کا جذبہ بیان کیا گیا ہے جو متلاشیوں کی رُوحانی بیداری اور بالآخر اُس کی نجات کے لیے ذمہ دار ہے۔ سنت درشن سنگھ جی اپنی تشبیہات کے لیے صوفی شاعری سے بہت مثال لیتے ہیں۔ پیرِ میخانہ کا مطلب کسی میخانے یا شراب خانے میں کام کرنے والا شخص نہیں ہے، بلکہ یہ ماورائی ساقی

کی جانب اشارہ ہے، اُس مُرشدِ کامل کی طرف اشارہ ہے جو ہمیں خُدا کے رابطے میں لاتے ہیں۔ اِس مادّی دُنیا کے میخانے میں دُنیاوی شراب پلائی جاتی ہے، لیکن رُوحانیت کے میخانے میں مُرشد ہمیں ماورائی الٰہی شراب پلاتے ہیں اور وہ شراب ہوتی ہے خُدا کا ماورائی نُور اور آواز، جو ہماری رُوح کو خُدا کی گود میں لے جاتی ہے۔ یہ غزل ایک تقریب ہے، جس میں ایک متلاشی ملکوتی عشق، نُور، آواز اور اعلیٰ ترین لُطف کے لیے اپنے مُرشد کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔

اس شعر میں سنت درشن سنگھ جی ایک رُوحانی مجلس کی بات کر رہے ہیں، جسے 'ست سنگ' کہا جاتا ہے، جس میں ہم ایک مُرشدِ کامل ملکوتی ساقی کے دربار میں پہنچتے ہیں، جو ہمیں خُدا کا ماورائی احساس فراہم کرتے ہیں۔ ملکوتی عشق کے اس احساس سے ہمارے دل اور رُوح میں جو سکون آمیز کرنیں اُٹھتی ہیں، اُن کی وضاحت الفاظ میں کرنا ناممکن ہے۔ ست سنگ کے دوران ہماری جانب آنے والا روحانی اُبھار ذہن، طلسم اور شک کی پرتوں کو چیرتا ہوا سیدھا ہماری رُوح میں سما جاتا ہے۔ اس سے ہماری رُوح اصل سے اُوپر اُٹھ کر شعور کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے۔ ہمیں اتنی خوشی، لُطف اور سکون کا احساس ہوتا ہے جتنا ہم نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا ہوتا۔

اس شعر میں سنت درشن سنگھ جی بتا رہے ہیں کہ ست سنگ میں جانے سے ہمیں کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ست سنگ کیا ہوتا ہے؟ 'ست' کا مطلب ہوتا ہے 'سچ' اور 'سنگ' کا مطلب ہوتا ہے 'شرکت'۔ اس طرح 'ست سنگ' کا مطلب ہوا 'سچ میں شریک ہونا'۔ ست سنگ وہ مجلس ہوتی ہے جس میں رُوحانیت کے متلاشی ایسے طریقے سیکھتے ہیں جس سے وہ خود اپنی رُوح کا احساس کر سکتے ہیں اور خُدا میں جذب ہو سکتے ہیں۔

صوفی شاعر اِس مادّی دُنیا کو بطور مثال استعمال کر کے ہمیں رُوحانی سچّائی سے واقف کراتے ہیں۔ اِس شعر میں سنت درشن سنگھ جی نے دُنیاوی میخانے، ساقی اور شراب کی مثال پیش کر کے ہمیں رُوحانی میخانے، ملکوتی ساقی اور خُدا کی شراب کے بارے میں بتایا ہے، تا کہ ہمیں ست سنگ میں جانے کے فوائد سمجھا سکیں۔

مثال کے طور پر، باہری دُنیا میں میخانہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں لوگ شراب پینے

کے لیے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ دُنیاوی تکلیفوں کو بھلانے کے لیے شراب پیتے ہیں۔ کچھ لوگ نشہ کرنے کے لیے شراب پیتے ہیں، تو کچھ اس لیے پیتے ہیں کیونکہ وہ اِس کے عادی ہو چکے ہیں اور اِسے چھوڑ نہیں پا رہے ہیں۔ میخانے میں ایک ساقی یا شراب پلانے والا ہوتا ہے، جسے مغربی ممالک میں 'بارٹینڈر' کہتے ہیں۔ میخانہ اور ساقی کی یہ مثال ہزاروں سال سے استعمال کی جا رہی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ آج لوگ انھیں 'بار' (یا پب) اور بارٹینڈر کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ لوگ میخانے میں جاتے ہیں شراب پینے کے لیے تاکہ وہ اپنے آس پاس کے ماحول کو بھول جائیں یا اُس حالت میں پہنچ جائیں جس میں انھیں لگتا ہے کہ اُنھیں خوشی ملے گی، جو اُن کی غلط فہمی ہوتی ہے کیونکہ وہ نشے کے بُرے اثرات، hangover اور اُس سے متعلق دوسری پریشانیوں کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ میخانہ وہ جگہ بھی ہوتی ہے جہاں مختلف مذاہب، ممالک اور پس منظر کے لوگ اجنبی ہوتے ہوئے بھی، سکون سے ایک ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے ہیں۔ اِس شعر میں میخانے کی مثال دے کر سمجھایا جا رہا ہے کہ ست سنگ کیا ہے اور کس طرح ست سنگ ایک ایسی مجلس یا جگہ ہے جہاں مختلف طرح کے لوگ آتے ہیں۔ وہاں امیر بھی آتے ہیں اور غریب بھی، تعلیم یافتہ بھی آتے ہیں اور جاہل بھی۔ وہاں ایک مذہب کے پیروکار آتے ہیں تو اُن سے مختلف روایات والے دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی آتے ہیں۔ وہاں ایک تہذیب کے لوگ آتے ہیں تو اُن سے مختلف تہذیبوں کے لوگ بھی آتے ہیں۔ ست سنگ کا دربار سبھی کے لیے کھلا ہوتا ہے۔

ملکوتی مئے یا شراب کا مطلب ہے خُدا سے نکلنے والا نُور اور آواز کی لہریں، جس سے منسلک ہو کر ہماری رُوح ملکوتی نشے سے لبریز ہو جاتی ہے۔ ست سنگ میں ایک ساقی بھی ہوتا ہے۔ وہ ساقی ہوتا ہے ایک مُرشدِ کامل، جو حق کے متلاشیوں کو خُدا کی ماورائی شراب پلاتا ہے۔ اس ماورائی شراب کو پینے کے لیے ست سنگ میں ہر طرح کے لوگ آتے ہیں۔ اس رُوحانیت کے آبِ حیات کو پینے سے ہم ایسے رُوحانی نشے کا احساس کرتے ہیں، جو صرف تھوڑی دیر کے لیے ہمارے ساتھ نہیں رہتا، بلکہ ہر لمحہ ہمیں عشقِ الٰہی سے شرابور رکھتا ہے۔

گُرو نانک دیو جی مہاراج کی زندگی کا ایک واقعہ ہے۔ اُس وقت کے بادشاہ نے گورو جی کو اپنے محل میں مدعو کیا۔ جیسی کہ اُس زمانے کی روایت تھی، بادشاہ نے گورو جی کو

شراب کا گلاس پیش کیا۔ گورونانک جی نے شراب لینے سے منع کردیا اور بے حد خوبصورتی کے ساتھ فرمایا کہ وہ ایسی شراب نہیں پینا چاہتے جس کی خماری صرف کچھ گھنٹوں تک رہے اور جو بعد میں hangover اور دیگر تکلیفوں کی وجہ بنے۔ اِس کے بجائے، گورونانک دیو جی نے فرمایا کہ وہ ایسی ماورائی شراب چاہتے ہیں جس کی خماری چوبیس گھنٹے بنی رہے ــــ سارا دن اور ساری رات ــــ اور ہمیشہ طاری رہے۔ وہ ماورائی شراب ہے خُدا سے نکلنے والا نُور اور آواز کی لہریں یا Holy Word یا نام یا لفظ، جس کا احساس ہم تب کرتے ہیں، جب ہم مراقبہ کی حالت کے ذریعے اندرون میں مرکوز ہوتے ہیں۔ ست سنگ میں ہم اس ماورائی آبِ حیات کے رابطے میں آتے ہیں، جو مُرشد سے ہماری جانب آتی ہے، مُرشد ماورائی شراب کے جام پر جام حق کے متلاشیوں کو پلاتے ہیں۔

یہ شعر، جس میں ''پیرِ میخانہ'' کو سلام پیش کیا گیا ہے، حقیقت میں رُوحانی میخانے یا ست سنگ میں ماورائی ساقی یا مُرشد سے متلاشیوں کو ملنے والے متعدد فوائد کے لیے شکریہ ادا کرتا ہے۔ ست سنگ میں متلاشی اپنی جانب آنے والے ماورائی آبِ حیات، لفظ، نام یا مقدس کلام کو جذب کرتے ہیں۔ یہ شعر کہتا ہے کہ میں میخانے کے پیر، مُرشدِ کامل کی طاقت کو سلام کرتا ہوں، اُسے سلام کرتا ہوں جو ہمارے اندر تبدیلی لاتے ہیں اور ہماری رُوح کو واپس رُوحِ عالیہ میں پیوست کردیتے ہیں۔

اس شعر میں بیان کیا گیا شکرگزاری کا خیال نشاندہی کرتا ہے کہ ایک سچّا متلاشی، خُدائی طاقت کے رابطے میں آکر اُسے پہچان لیتا ہے۔ یہاں شاعر اتنی زیادہ شکرگزاری کیوں کررہا ہے؟ اکثر لوگ زندگی میں کسی چیز کی تلاش میں رہتے ہیں، لیکن اُنھیں پتہ نہیں ہوتا کہ وہ چیز ہے کیا۔ ہم جانتے ہیں کہ کسی چیز کی کمی ضرور ہے، لیکن یہ نہیں جانتے کہ کس چیز کی ہے۔ اِسی لیے زندگی کے اس گُم شدہ حصّے کو تلاش کرنے کی ہماری اکثر کوشش یا جستجو مادّی سطح تک محدود رہتی ہے۔ مثال کے طور پر، اگر ہم دیکھیں کہ ہم دن بھر کیا کرتے ہیں، تو ہم پائیں گے کہ ہم جاگتے ہیں، نہاتے ہیں اور تیار ہوتے ہیں ــــ کس لیے تیار ہوتے ہیں؟ اکثر لوگ کام پر جانے کے لیے یا اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ چونکہ ہمیں کئی گھنٹوں تک اِن کاموں میں مصروف رہنا ہے، تو ہم کیا کرتے ہیں؟ ہم

ناشتہ کرتے ہیں۔ چونکہ ہم نے پوری رات کچھ کھایا نہیں ہوتا اور ہم نے تقریباً پچھلے آٹھ گھنٹوں کا روزہ رکھا ہوتا ہے، جسے اب ہم توڑنا چاہتے ہیں— تو ایسے میں ہم کیا کرتے ہیں؟ ہم ناشتہ کرتے ہیں۔ (ناشتے کو انگریزی میں 'بریک فاسٹ' کہتے ہیں، جس کا مطلب ہوتا ہے 'ٹو بریک اے فاسٹ' یعنی 'روزہ توڑنا) جب ہم جاگتے ہیں، تو ہم وہ روزہ توڑنا چاہتے ہیں۔ ہم کس چیز سے وہ روزہ توڑتے ہیں؟ لذیذ غذا سے۔ کچھ لوگ بریڈ ٹوسٹ اور مکھّن کھاتے ہیں، کچھ دَلیا اور پوہا کھاتے ہیں، کچھ لوگ اِڈلی سانبھر کھاتے ہیں، تو کچھ لوگ آلو کے پراٹھے کھاتے ہیں۔ ہم کسی نہ کسی لذیذ غذا سے اپنا روزہ توڑتے ہیں۔

اُس کے بعد، ہم اچھے کپڑے پہنتے ہیں اور کام پر جاتے ہیں۔ ہمارا پیشہ جسمانی محنت والا ہوتا ہے یا ذہنی محنت والا یا پھر دونوں طرح کا۔ ہم کام کاج کے دوران دوپہر کا کھانا کھاتے ہیں، چاہے ہم آفس میں کھانا کھائیں یا باہر کسی ہوٹل میں کھانا کھانے جائیں۔ اس طرح ہم جسم کو پھر سے غذا دیتے ہیں۔ یہ ایک مشین ہے اور اِسے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارا جسم ایک کار کی طرح ہے جو پٹرول یا ڈیزل ڈالنے پر ہی چلتی ہے۔ ہم جتنی مسافت طے کرتے ہیں، اُسی کے مطابق ہمیں وقت وقت پر کار میں ایندھن ڈالنا پڑتا ہے۔ اگر ہم روزانہ صرف دس یا بیس میل کا سفر کریں، تو شاید ہمیں ہفتے میں ایک بار پٹرول یا ڈیزل ڈلوانا پڑے گا، لیکن اگر ہم دو سو میل جائیں گے، تو ہوسکتا ہے ہمیں روز پٹرول یا ڈیزل ڈلوانا پڑے۔ ہمارے جسم کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اسے وقت وقت پر ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لیے ہم دوپہر کی غذا لیتے ہیں اور پھر شام کو ہلکا ناشتہ لیتے ہیں۔ رات کو گھر آ کر ہم پھر سے کھانا کھاتے ہیں۔

دِن ختم ہونے تک ہم تھک چکے ہوتے ہیں، اسی لیے ہم کسی نہ کسی طریقے سے آرام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پورا دِن لگاتار کام کرتے رہنے اور لوگوں سے ملتے رہنے سے ہمارے اندر ایک تناؤ سا پیدا ہوجاتا ہے، اسی لیے ہمیں تناؤ سے نجات حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس کے لیے ہم ٹی وی دیکھتے ہیں یا کمپیوٹر کا استعمال کرتے ہیں یا کوئی ایسا کام کرتے ہیں جس سے ہمیں خوشی یا آرام ملتا ہے۔

آخر میں ہم اپنے جسم کو آرام دیتے ہیں۔ ہمارے جسم کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے،

ٹھیک ویسے ہی جیسے انجمن لگاتار کئی دِنوں تک چوبیس گھنٹے نہیں چل سکتا ہے۔ کچھ دِن چلے گا، لیکن پھر وہ کام کرنا بند کر دے گا۔ یہی چیز جسم کے ساتھ بھی ہے، اسے آرام چاہیے۔

پھر اگلی صبح ہم جاگتے ہیں، روزہ توڑتے ہیں اور ایک بار پھر وہی روزمرّہ کے کام دوہراتے ہیں۔ اِن سبھی سرگرمیوں کے دوران ہم اپنے جسم کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ بھوک لگنے پر اِسے غذا دیتے ہیں۔ گندا ہو جانے پر اِسے صاف کرتے ہیں۔ اپنے جسم کی بنیادی ضروریات کے لیے پیسے کمانے کے ساتھ ساتھ ہم اپنی دِلی خواہشات کو بھی پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دیگر اشیا بھی خریدتے ہیں جو ہمیں ضروری محسوس ہوتی ہیں۔ اِس دُنیا میں مختلف پُرکشش اشیا ہیں اور ہم اُنھیں حاصل کرنے کے لیے ضروری پیسہ کمانے میں اپنا زیادہ وقت گزار دیتے ہیں۔ اِس طرح اس لامتناہی چکر میں پھنسے ہوئے ہمارا سارا وقت گزر جاتا ہے۔ جوانی سے ادھیڑ عمر تک، ہم شب و روز صرف اپنے جسم اور مَن کی دیکھ بھال میں لگے رہتے ہیں اور وقت ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔

سنت درشن سنگھ جی مہاراج نے ''سلام اے پیرِ میخانہ!'' مصرع کو بار بار دوہرایا ہے کیونکہ شاعری یا نظم میں کسی مصرع کو دوہرانے کا مقصد ہوتا ہے اُس بات پر زور دینا۔ وہ یہاں اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ روزمرّہ کے عام دُنیاوی کام سے الگ ہٹ کر ایک مُرشدِ کامل کے ست سنگ میں پہنچنا بڑی خوش قسمتی کی بات ہے، کیونکہ وہاں پہنچ کر ہماری رُوح خُدا کے رابطے میں آ سکتی ہے۔

اگلے مصرع میں سنت درشن سنگھ جی فرماتے ہیں، ''تری آواز نے خوابیدہ صدیوں کو جگایا ہے'' اِس کا کیا مطلب ہے؟

رُوحانی بیداری سے پہلے ہماری حالت ایسی ہوتی ہے جیسے ہم سو رہے ہوں۔ سنت درشن سنگھ جی نے اس کے لیے ''خوابیدہ صدیوں'' کا استعمال کیا ہے۔ ہمیں لگتا ہے کہ ہم اس زندگی میں سوئے ہیں، لیکن حقیقت میں ہماری رُوح صدیوں سے سوئی ہوئی ہے۔ ہماری رُوح آخر اس حالتِ خواب میں کیسے پہنچی؟ شروعات میں ہماری رُوح خُدا کی گود میں تھی۔ جب خُدا نے اپنے حصّوں، جنھیں رُوح کہا جاتا ہے، کو اپنے پاس سے الگ کیا اور اِس کائنات میں بسنے کے لیے بھیجا، تو ہم اِس دُنیاوی کشش میں اتنے زیادہ کھو گئے کہ اپنے

بیداری کا ملکوتی علم

اصلی گھر کو بھول گئے۔ اِس طرح ہم ایک نیند یا بھول کی حالت میں ہیں، یعنی یہ بھول چکے ہیں کہ ہم رُوح ہیں۔ ہمیں لگتا ہے کہ ہم صرف جسم اور مَن ہیں۔ ہم بھول چکے ہیں کہ ہماری اصلی ہیئت رُوح ہے، ہم خُدا کے حصّے ہیں۔

چونکہ ہم خود کو جسم اور مَن سمجھتے ہیں، اس لیے ہم اپنا سارا دھیان اُن کے فروغ میں لگا دیتے ہیں۔ ہم پوری زندگی اپنے جسم کی دیکھ بھال کرنے اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں۔ ہم اپنی رُوحانی ضرورتوں پر دھیان نہیں دیتے۔ آیئے، ہم اپنی زندگی کی جانب دیکھیں کہ ہم کس قسم کے کاموں میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔ ہمارے دن کا ایک بڑا حصّہ اپنے جسم کی دیکھ بھال میں گزرتا ہے: کھانا، سونا، نہانا، کپڑے پہننا، بال بنانا، کھیل کود کرنا، ورزش کرنا اور ساتھ ہی جسم کو غذا، کپڑے، گھر اور دوائیاں وغیرہ مہیا کرانے کے لیے ملازمت کرنا۔ اس کے بعد دیکھیے کہ ہم اپنے مَن کی دیکھ بھال کرنے میں کتنا زیادہ وقت لگاتے ہیں۔ اگر ہماری ملازمت یا کام کاج ذہنی ہے، تو ہم وہاں اپنے مَن کا استعمال کرتے ہیں۔ ہم مَن کی خواہشات پر دھیان دیتے ہیں اور اِس کی تفریح کے لیے ٹیلی ویژن، ریڈیو، فلمیں، کمپیوٹر اور دیگر ڈیجیٹل آلات، انٹرنیٹ وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں یا پھر لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ Texting کرتے ہیں یا کوئی دیگر شوق پورا کرتے ہیں۔ اِس طرح زندگی کے آخر تک ہم اپنے جسم اور مَن کی دیکھ بھال کے لیے محنت کرتے رہتے ہیں۔ اب ذرا دیکھیے کہ اپنی رُوح اور رُوحانی زندگی کے لحاظ سے ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہم روزانہ اس جانب کتنا وقت لگاتے ہیں؟ زیادہ تر لوگ ہفتے میں ایک دن یا کسی تہوار والے دن ہی اپنے مذہبی مقام پر جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے ہم خُدا سے دُعا کرتے ہوں، لیکن ہم زیادہ تر خُدا سے اپنے جسم، اپنے مَن یا اپنے عزیزوں کے لیے کچھ نہ کچھ مانگتے رہتے ہیں؟ ہم خُدا سے صرف خُدا کے لیے کتنی بار دُعا کرتے ہیں؟ اس طرح رُوحانی ہیئت سے بیدار ہونے سے پہلے ہم اپنی رُوح کی بجائے اپنے جسم اور مَن کی دیکھ بھال میں زیادہ وقت لگاتے ہیں۔

زندگی میں کسی نہ کسی موڑ پر خُدا کی جانب سے بیداری کی صدا ہم تک پہنچتی ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے 'پرنس چارمنگ' (شہزادہ) آ کر 'سلیپنگ بیوٹی' (سوئی ہوئی شہزادی) کو جگا

رہا ہو۔ جب یہ صدا آتی ہے، تو ہماری رُوح صدیوں کی کئی جنموں کی گہری نیند سے بیدار ہو اُٹھتی ہے۔

بیداری کی یہ صدا کئی شکلوں میں آ سکتی ہے۔ یہ وہ لمحہ ہو سکتا ہے جب ہم کسی بڑی مصیبت یا پریشانی کا سامنا کر رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم کسی کار حادثہ میں ہوں یا ہمیں کوئی سنگین بیماری ہو اور ہمیں لگے کہ ہماری زندگی ختم ہونے والی ہے۔ اچانک ہماری پوری زندگی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے اور ہمیں احساس ہوتا ہے کہ زندگی بھر جو کچھ بھی ہم نے کیا اور جو بھی حصولیابیاں ہم نے حاصل کیں، وہ اِس وقت ہماری مدد نہیں کر سکتیں جبکہ ہم اِس زندگی سے آگے اَنجان دُنیا میں جا رہے ہیں۔ بیداری کا لمحہ تب بھی آ سکتا ہے جب ہمارے کسی قریبی کی مَوت ہو جائے۔ یا یہ لمحہ تب آ سکتا ہے جب ہم کوئی ایسی کتاب پڑھیں جو ہمیں ہمارے وجود کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دے۔ کچھ دوسرے لوگوں کے لیے یہ لمحہ تب آ سکتا ہے جب کوئی دوست ہمیں اپنی رُوحانی تلاش کے بارے میں بتائے اور ہمارے اندر بھی یہ خواہش بیدار ہو کہ ہم بھی اِس رُوحانیت کے سفر پر جائیں۔ خُدا کے پاس ہم تک پہنچنے کے کئی طریقے ہیں۔

شعر کے اس مصرع کا اصل میں ایک اور دقیق مطلب بھی ہے۔ ''تیری آواز'' کا مطلب ''صدا'' بھی ہے، جو اشارہ کر رہا ہے ''خُدا کے لفظ'' یا ''خُدا کی روشنی اور سماعت'' کی طرف۔ سنت درشن سنگھ جی کی شاعری میں اتنی گہرائی ہے کہ ہر بار اُسے پڑھنے پر کوئی نہ کوئی نیا مطلب ہمارے سامنے اُبھر آتا ہے اور ہم حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ ہمیں پہلے یہ مطلب سمجھ میں کیوں نہیں آیا۔ اُن کے ہر شعر میں کئی مطالب پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یہاں وہ سمجھا رہے ہیں کہ مُرشد کی طاقت کیسے کام کرتی ہے۔ ہماری رُوح ہمارے جسم میں قید ہے۔ رُوح کے ساتھ مَن بھی منسلک ہے، جس کا کام ہے رُوح کو خُدا سے الگ رکھنا۔ لیکن رُوح خُدا کا جُز ہے، جو ہم سبھی کے اندر موجود ہے۔ رُوح اور خُدا دونوں ہی ہمارے اندر ہیں، لیکن رُوح کو خُدا کی واقفیت نہیں ہے۔ شروعات میں خُدا اکیلے تھے، اُنھوں نے ایک سے انیک ہونے کا فیصلہ کیا، تو ایک ہلچل پیدا ہوئی، جس نے روشنی اور آواز کی شکل اختیار کر لی۔ اِسی روشنی اور آواز کی ماورائی لہروں نے پوری کائنات کی تخلیق کی اور یہی اِسے آج بھی قائم رکھے

ہوئے ہے۔ جب یہ لفظی لہریں اپنے سرچشمے سے نکل کر آگے بڑھیں، اُس نے کئی حلقوں کی تخلیق کی، جس میں سے ایک ہمارا یہ مادّی حلقہ ہے جس میں تمام تارے، سورج، چاند، سیّارے، ہماری زمین، انسان اور سبھی قسم کی مخلوق شامل ہیں۔ روشنی اور آواز کی یہی ماورائی لہریں سبھی مخلوقات کو زندگی دے رہی ہے۔ یہ ہر وقت لگاتار ہمارے اندر گونج رہی ہے۔ جب ہم اندرون میں توجہ مرکوز کر کے خُدا کی روشنی اور آواز کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں، تو ہم اِس ماورائی لہروں پر سوار ہو کر واپس اپنے سرچشمے تک لوٹ سکتے ہیں۔ ہماری رُوح سبھی حلقوں سے گزرتی ہوئی واپس خُدا کے پاس پہنچ سکتی ہے۔

روشنی اور آواز کی اس ماورائی لہر سے منسلک ہو کر ہم خُدا میں ضم ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہمارا مَن ہماری رُوح کو اِس طاقت کے ساتھ منسلک نہیں ہونے دیتا اور ہمارے ذہن کو باہری دُنیا میں لگائے رکھتا ہے۔ جب ہمارے اندر خُدا کو پانے کی حقیقی تڑپ پیدا ہوتی ہے، تو خُدا ہمیں ایک ایسی ہستی کی پناہ میں پہنچا دیتے ہیں جو ہمیں اندرونی روشنی اور آواز کی لہر کے ساتھ منسلک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ مُرشد ہمیں مراقبہ کے وہ طریقے سکھاتے ہیں جس کے ذریعے ہم اندرون میں خُدا کی روشنی و سماعت کو ساتھ منسلک ہو سکتے ہیں اور اُس لہر پر سوار ہو کر واپس اپنے سرچشمے تک پہنچ سکتے ہیں۔ مُرشد اپنی توجہ فرما کر ہمیں روشنی و سماعت کے ساتھ منسلک کر دیتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ ہمیں یادداشت کی تکنیک بھی سکھاتے ہیں، جس میں ہم دِل ہی دِل میں خُدا کے پانچ ناموں کا وِرد کرتے ہیں، تاکہ ہمارا ذہن اُس وِرد میں مصروف ہو جائے اور اُسے منتشر نہ کر پائے۔ اِن پانچ ناموں کا وِرد کرنے سے ہمارا ذہن خُدا کی روشنی اور سماعت، لفظ یا نام میں مرکوز ہو جاتا ہے۔ پھر ہماری رُوح جسمانی حلقے سے اُوپر اُٹھ کر رقیق مادّہ، اسباب اور حلقۂ اسبابِ عالیہ سے گزرتی ہوئی بالآخر 'سچ کھنڈ' پہنچ کر خُدا میں جذب ہو جاتی ہے۔ اِس طرح مُرشد ہمیں ہمارے اندرون میں روشنی اور آواز کے ساتھ جوڑ کر، ہماری رُوح اور خُدا کے مِلن میں مددگار بنتے ہیں۔

سنت درشن سنگھ جی یہاں فرما رہے ہیں کہ ''نوائے آگہی'' یا خُدا کی ماورائی موسیقی یا لفظ کے ساتھ منسلک ہونے سے ہماری رُوح صدیوں کی نیند سے بیدار ہو جاتی ہے اور بیداری کی حالت میں آ جاتی ہے۔ جب ہماری رُوح خود کو رُوح کی صورت میں محسوس کر لیتی

ہے اور یہ سمجھ لیتی ہے کہ وہ خُدا کا جزُ ہے، تو اُسے اپنے اصلی مقصد کا بھی احساس ہونے لگتا ہے۔ تب ہماری رُوح خُدا کو جاننا چاہتی ہے، یہاں تک کہ اُس میں خُدا کے ساتھ جذب ہونے کی تڑپ جاگ اُٹھتی ہے۔ یہ ست گورو کے ذریعے ہماری رُوح میں لائی گئی رُوحانی بیداری کی پہلی چنگاری ہے۔

شعر کا اگلا مصرع ہمیں بتاتا ہے کہ وہ صدا آنے کے بعد کیا ہوتا ہے: ''ترے نغموں کو سُن کر طائرِ دل چہچہایا ہے۔'' یہاں بتایا جا رہا ہے کہ بیداری کی صدا آنے پر ہمارے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ ہمارے اندر کوئی جانا پہچانا سا احساس کروٹ لیتا ہے۔ ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہمیں اچانک کوئی بہت پرانی، بھولی بسری بات یاد آ گئی ہو۔ یہ ملکوتی صدا ہم تک کئی طریقوں سے پہنچ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، ہوسکتا ہے خُدا اور رُوح سے متعلق کوئی کتاب پڑھتے وقت اچانک ہماری آنکھوں میں آنسو بھر آئیں، جیسے اچانک ہی ہمیں اپنے اصلی گھر کی یاد آ گئی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ موسیقی سنتے وقت بانسری، وائلن یا وینا کی میٹھی آواز سُن کر ہماری آنکھیں بھیگ جائیں۔ کچھ آوازیں ایسی ہوتی ہیں جو ہماری رُوح کو اُس بلند موسیقی کی یاد دلا جاتی ہیں جو وہ کبھی سنا کرتی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی ہم ایسی ہستی سے ملیں جو خُدا کے ساتھ منسلک ہو اور اچانک ہی ہمیں اُن کی آنکھیں جانی پہچانی سی لگیں اور اُن کی موجودگی میں ہمیں گہرے سکون اور استحکام کا احساس ہو۔ جب ہماری رُوح کسی ایسے شخص کو پہچان لیتی ہے جو خُدا میں جذب ہو چکا ہو، تو وہ خوشی سے جھوم اُٹھتی ہے۔

اس شعر میں کہا گیا ہے، ''طائرِ دل چہچہایا ہے''، یعنی دل کا پنچھی خوشی سے چہچہانے لگا ہے۔ انگریزی کا ایک محاورہ ہے، "Happy as a Lark" یہ بہت زیادہ خوشی کو بیان کرتا ہے۔ ہمارے دل میں اتنی زیادہ خوشی پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ ایک چڑیا کی مانند چہچہانے اور اُڑان بھرنے لگتا ہے۔ یہ خوشی اصل میں دِل میں نہیں، بلکہ ہماری رُوح میں ہوتی ہے۔ ہماری رُوح صدیوں سے اِس جسم اور مَن کے پنجرے میں قید ہے اور خود کو بھول بیٹھی ہے۔ وہ رو رو کر فریاد کر رہی ہے، لیکن ہم حالتِ خواب میں ہیں اور اُس کی آواز نہیں سُن رہے ہیں۔ ہماری رُوح بیدار ہونے کے موقع کا انتظار کر رہی ہے، تاکہ اُسے اِس قید سے نجات حاصل ہو سکے۔ جب بالآخر نجات کا لمحہ آتا ہے، تو رُوح بہت زیادہ خوشی سے لبریز ہو جاتی

ہے۔ یہ پنجرے سے نجات حاصل کر لیتی ہے۔ یہ خوشی اور مسرّت سے لبریز ہو جاتی ہے۔ جب ہم اپنی رُوح کے رابطے میں آ جاتے ہیں، تو ہمارا پورا وجود، ہمارا جسم، مَن اور رُوح خُدا سے شرابور ہو اُٹھتے ہیں۔

اِس شعر میں شاعر نے کہا ہے، ''ترے نغموں کو سُن کر'' یہ صرف صنعت کا مصرع نہیں ہے۔ یہاں نغمہ یا گیت اندرونی ماورائی موسیقی یا لفظ کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ یہ موسیقی ہے خُدا کی ملکوتی آواز یا سماعت۔

مُرشد سے ہمیں ملنے والے تحفے میں سے ایک ہے خُدا کی ماورائی روشنی اور آواز کے ساتھ رابطہ۔ یہ منوّر روشنی اور ماورائی موسیقی کی لہر ہے۔ یہ موسیقی اتنی دلکش اور پُرکشش ہے کہ یہ ہماری رُوح کو جسمانی حلقے سے اُوپر کھینچ کر خُدا کی گود تک پہنچا دیتی ہے۔ اندرونی موسیقی کی زبردست طاقت کا اندازہ لگانا ہمارے لیے مشکل ہے، کیونکہ ہم اُنہی گیتوں اور آوازوں کو موسیقی مانتے ہیں جو ہم ریڈیو، آئی پاڈ، آئی پیڈ یا دیگر ڈیجیٹل آلات پر سنتے ہیں یا براہِ راست کسی موسیقی کے پروگرام میں سنتے ہیں۔

سنت درشن سنگھ جی فرمایا کرتے تھے کہ اِس دُنیا کی موسیقی ہمیں صرف اِس مادّی حلقے کی حدود تک لے جا سکتی ہے۔ اُس کے آگے جانے کے لیے ہمیں رُوحانی حلقے کی ملکوتی موسیقی کی ضرورت ہے۔

جب انھوں نے لکھا ''ترے نغموں کو سُن کر''، تو وہ کن ''نغموں'' کی بات کر رہے تھے؟ وہ خُدا کی ملکوتی موسیقی کی بات کر رہے تھے۔ جب ہمارا جسم اور ذہن بالکل مطمئن ہو جاتے ہیں، تو ہم خُدا کی ماورائی روشنی اور آواز کو دیکھ اور سُن پاتے ہیں۔ تب خُدا کے اِس ملکوتی نغمے کو سُن کر دِل کا پنچھی چہچہانے لگتا ہے۔ جب ہماری رُوح اس ملکوتی موسیقی کو سُنتی ہے، تو وہ رُوحانی طور پر خوش ہو جاتی ہے۔ اپنے ملکوتی سرچشمے کو محسوس کر کے اُس میں اتنی مسرّت بھر جاتی ہے کہ وہ اعلیٰ ترین لُطف کی حالت میں پہنچ جاتی ہے۔ وہ صدیوں سے چلے آ رہی خُدا سے جدائی کو پہچان جاتی ہے اور اُن سے ملنے کے لیے بے چین ہو اُٹھتی ہے۔ سنت درشن سنگھ جی فرماتے ہیں کہ خُدا کی ملکوتی موسیقی کے پنکھوں پر بیٹھ کر ہماری رُوح اِس مادّی حلقے سے اُوپر اُٹھ کر رُوحانی حلقے میں اُڑان بھرنے لگتی ہے۔

منزلِ محبُوب

اندرونی موسیقی کی بے مثال طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے ذرا باہری موسیقی کے اثر کے بارے میں سوچیے۔ اِس مادّی دُنیا کی موسیقی کا اثر یقیناً بہت گہرا ہوتا ہے۔ جب بھی ہم کوئی موسیقی سُنتے ہیں، چاہے وہ کسی گلوکار یا گلوکارہ کی سُریلی آواز ہو یا کسی ساز کی مدُھر تان ہو، ہم مستی میں آ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ موسیقی سُنتے وقت جھومنے لگتے ہیں یا اپنا سر ہلانے لگتے ہیں یا زمین پر پیر تھپتھپانے لگتے ہیں۔ موسیقی کا نشہ ہمارے ذہن کو اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ اِس شعر میں مہاراج جی فرما رہے ہیں، ''ترے نغموں کو سُن کر طائرِ دل چہچہایا ہے۔'' ایک پنچھی کی مثال دے کر، جو کہ خوشی سے چہچہا رہا ہے، وہ سمجھا رہے ہیں کہ ملکوتی سنگیت کے ساتھ منسلک ہونے پر ہماری رُوح کی حالت کیا ہوتی ہے۔

ایک راجہ کی کہانی ہے جو موسیقی کے اثر کو بخوبی سمجھاتی ہے۔ اُس کی سلطنت میں ایک عظیم موسیقار تھا۔ اُس کی صلاحیت کے بارے میں سُن کر راجہ نے اُسے اپنے دربار میں طلب کیا اور اُس کی موسیقی کو پسند کیا۔ چونکہ وہ بہت اچھّا گاتا اور بجاتا تھا اس لیے راجہ اکثر اُسے بلا کر موسیقی سے لُطف اندوز ہوتا تھا۔ درباری موسیقار ہونے کی وجہ سے اُس کی شہرت مزید بڑھ گئی اور جلد ہی پڑوسی ریاست کے لوگ بھی اُس کی موسیقی سُننے کے لیے اُسے مدعو کرنے لگے۔ اُس نے راجہ سے دوسری ریاست میں جا کر گانے کی اجازت مانگی، تو راجہ نے اُسے بخوشی اجازت دے دی۔ وہ موسیقار ایک ریاست سے دوسری ریاست لمبے سفر پر نکل گیا۔ جہاں بھی وہ گیا، اُسے انعام میں بہت سی دولت ملی۔ اُس کے پاس کافی دولت جمع ہوگئی۔ کچھ عرصے بعد اُسے اپنے گھر کی یاد ستانے لگی اور اُس نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

اُس نے اپنی ریاست کی طرف جانے والے ایک سمندری جہاز کا ٹکٹ خرید لیا۔ وہ تمام دولت اور قیمتی تحفے لے کر جہاز میں سوار ہوگیا۔ کچھ دِنوں کے سفر کے بعد جہاز کو طوفان کا سامنا کرنا پڑا اور وہ اپنے متعین راستے سے بھٹک گیا۔ وہ اپنے راستے سے اِتنا دُور بھٹک گیا کہ جہاز راں اور مسافروں کو شبہ ہونے لگا کہ وہ اپنی منزل تک پہنچ بھی پائیں گے یا نہیں۔

جیسے جیسے سفر کی مشکلیں بڑھنے لگیں، ویسے ویسے کپتان اور جہاز راں کا رویّہ مسافروں کے تئیں بگڑنے لگا۔ کپتان پہلے ایک سمندری ڈاکو رہ چکا تھا اور بعد میں کسی طرح اسے ایک جہاز میں کپتان کی نوکری مل گئی تھی۔

بیداری کا ملکوتی علم

ایک دن کپتان اور جہاز راں (sailors) کے درمیان جہاز پر سفر کررہے موسیقار کے بارے میں بحث ہونے لگی۔ یہ بات بھی سامنے آئی کہ جگہ جگہ پروگرام کر کے اس موسیقار نے بہت ساری دولت اور قیمتی سامان جمع کر لیا ہے۔

جہاز راں نے کہا، ''ہم سمندر میں بہت دُور نکل آئے ہیں۔ کیوں نہ ہم اِس موسیقار سے اُس کی ساری دولت چھین لیں؟ ساحل تک پہنچنے سے پہلے ہم اِس کا سارا اثاثہ لُوٹ سکتے ہیں۔''

موسیقار کو لُوٹنے کی بات پر متفق ہونے کے بعد جہاز راں نے کپتان سے پوچھا کہ اِس جرم کو کیسے چھپائیں؟

کپتان، جو پہلے سے ایک بے رحم شخص تھا، بولا، ''یہ تو بہت آسان ہے۔ ہم اُس کی ساری دولت چھین لیں گے اور اُسے جہاز سے نیچے سمندر میں پھینک دیں گے۔ ہم ساحل سے بہت دُور ہیں۔ جب ہم ساحل پر پہنچیں گے اور کسی نے موسیقار کے بارے میں پوچھا، تو کہہ دیں گے کہ وہ سمندر میں آئے زبردست طوفان کی وجہ سے جہاز سے گرکر ڈُوب گیا۔ اِس طرح وہ موسیقار راجہ سے ہماری شکایت نہیں کر پائے گا۔''

جب کپتان اور جہاز راں آپس میں یہ منصوبہ بنارہے تھے، تب اُنھیں پتہ نہیں تھا کہ وہ موسیقار اُن کے بند کمرے میں دروازے کے باہر ہی کھڑا تھا۔ وہ اصل میں کپتان سے کچھ کہنے آیا تھا، لیکن اُن لوگوں کی باتیں سُن کر باہر ہی رُک گیا اور کمرے کے اندر نہیں گیا۔ اُس نے بند دروازے کے پیچھے سے اُن لوگوں کی ساری باتیں سُن لیں اور وہ سمجھ گیا کہ وہ لوگ اُس کے قتل کا منصوبہ بنارہے ہیں۔ وہ خوف سے مارے کانپنے لگا۔

گھبراہٹ میں اُسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے، اُس کا پہلا ردِّعمل یہی تھا کہ وہ اُن سے اپنی جان کی بھیک مانگ لے۔

اُس نے کپتان کے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور بولا، ''میں نے تم لوگوں کی ساری باتیں سُن لی ہیں۔ دیکھو، مجھے جہاز سے نیچے پھینک کر مارنے کے بجائے تم لوگ میری ساری دولت لے لو۔ اگر تم لوگ میری جان بخش دو، تو میں خود اپنا سارا اثاثہ تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔''

لیکن جہاز رانوں نے پہلے سے یہ طے کرلیا تھا کہ وہ موسیقار کو جہاز سے نیچے پھینک کر ماردیں گے۔ اُنھیں ڈر تھا کہ اگر وہ زندہ رہا، تو وہ راجہ سے اُن سب کی شکایت کردے گا۔

جہاز رانوں نے کہا، ''ہم تمھاری جان نہیں بخش سکتے۔ اگر واپس جاکر اگر تم نے ہمارے بارے میں کسی کو بتادیا، تو ہمارے لیے مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔ لیکن ہم تمھیں دو اختیارات دے سکتے ہیں۔ تم چاہو تو تلوار سے مر سکتے ہو، یا چاہو تو جہاز سے نیچے سمندر میں کُود کر اپنی جان دے سکتے ہو۔ بتاؤ تم کیسے مرنا چاہو گے؟''

موسیقار نے اِس بات پر غور کیا اور بولا، ''میں جہاز سے نیچے سمندر میں کُود جاؤں گا، لیکن مہربانی کر کے میری ایک آخری خواہش مان لو۔'' وہ جانتا تھا کہ قید خانے میں جب کسی کو سزائے موت دی جاتی ہے، تو اُس کی ایک آخری خواہش پوری کرنے کی روایت ہے۔

کپتان نے پوچھا، ''تمھاری آخری خواہش کیا ہے؟''

موسیقار نے جواب دیا، ''میں تم سب کے لیے ایک گیت گانا چاہتا ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے اپنا سب سے بہترین گیت گانے کی اجازت دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیسے ہی میرا گیت ختم ہوگا، میں سمندر میں کُود جاؤں گا۔''

جہاز رانوں نے کہا، ''اوہ، یہ تو بہت اچھّی بات ہے۔ ہم نے سُنا ہے کہ تم بہت اچھّے گلوکار ہو۔ ہم ویسے بھی تنگ آچکے ہیں اور ہمارے پاس کچھ اور کرنے کو ہے نہیں۔ بہتر ہے کہ ہم تمھاری صلاحیت دیکھ لیں۔ ٹھیک ہے، تمھیں گانے کی اجازت ہے۔ لیکن جیسے ہی تمھارا گیت ختم ہوجائے، تمھیں سمندر میں کُود جانا ہوگا۔''

موسیقار نے اُن سے کہا، ''گیت شروع کرنے سے پہلے میں ایک اچھّا لباس پہن کر تیّار ہونا چاہتا ہوں، جس طرح مَیں بڑے بڑے پروگراموں کے لیے تیّار ہوتا ہوں۔'' وہ سب مان گئے کہ موسیقار جائے اور اچھّے کپڑے پہن کر، تیّار ہوکر آجائے۔ موسیقار اپنے کمرے میں گیا اور اُس نے تیّار ہونے میں کافی وقت لگادیا۔ پھر وہ جہاز کے سامنے کے ڈیک (deck) پر آ گیا، تاکہ اپنا نغمہ سُنا سکے۔

کپتان اور جہاز راں اُسے گھیر کر کھڑے ہوگئے اور اُس کا نغمہ سُننے کے لیے تیّار ہوگئے۔

موسیقار نے لکڑی کا، کسے ہوئے تاروں والا ایک ساز منتخب کیا۔ وہ ساز بجانے لگا

اور ساتھ ہی نغمہ بھی گانے لگا۔ اُس کی آواز اتنی سُریلی تھی کہ سبھی جہازراں اُس کے نغمے سے مدہوش ہوگئے۔ وہ اُس کے ساتھ ساتھ گنگنانے لگے اور مدمست ہوگئے۔ اُس کی میٹھی آواز سُن کر کچھ لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اُنھوں نے اپنی زندگی میں اتنا سُریلا نغمہ کبھی نہیں سُنا تھا، لیکن دولت کے تئیں اُن کا لالچ زیادہ تھا، اس لیے اُنھوں نے موسیقار کی تعریف نہیں کی۔

موسیقار گھنٹوں تک اپنا وہ سُریلا نغمہ گاتا رہا۔ اُن لوگوں نے اتنا لمبا نغمہ کبھی نہیں سُنا تھا۔ اِسی طرح ایک گھنٹہ گزر گیا۔ پھر ایک اور گھنٹہ گزر گیا۔ اُنھیں پتہ نہیں تھا کہ موسیقار کا نغمہ کب ختم ہوگا، لیکن اُنھیں کوئی جلدی نہیں تھی، وہ موسیقار اس لمبے سفر میں آخر کئی گھنٹوں سے اُن کی تفریح ہی کر رہا تھا۔ اُنھوں نے اُسے ٹوکا نہیں، کیونکہ کسی کلاکار کے مظاہرے کے درمیان میں مداخلت نہیں کی جاتی۔

موسیقار اُس وقت بھی گا رہا تھا جب غروب کا خوبصورت رنگ پورے آسمان پر چھا گیا۔ شام کی دھیمی روشنی رات کے گہرے اندھیرے میں بدل گئی اور موسیقار گاتا رہا۔ یہاں تک کہ سحر کا ہوقت ہوگیا اور وہ موسیقار گاتا رہا۔ جہازراں اُس کے سُریلے نغمے سے اتنے مدہوش تھے کہ اُسے کسی نے نہیں روکا۔

اچانک موسیقار نے گانا بند کر دیا، دوڑ کر جہاز کے کنارے چلا گیا اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ کپتان اور جہازرانوں نے اُس کے کُودنے کے بعد راحت کی سانس لی اور اُس کے کمرے میں جا کر اُس کی ساری دولت نکال لی۔

تھوڑی دیر بعد اُنھیں احساس ہوا کہ موسیقار تب تک گاتا رہا تھا جب تک اُسے زمین نہیں دِکھ گئی تھی۔ لیکن اُنھوں نے سوچا کہ اتنے اُونچے جہاز سے سمندر میں چھلانگ لگانے سے موسیقار کی مَوت ہوگئی ہوگی۔

جب جہاز کنارے پہنچا، تو کپتان اور جہازراں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ راجہ کے سپاہی اُن کا استقبال کرنے کے لیے کنارے کھڑے تھے۔ سپاہیوں نے کپتان سے پوچھا کہ وہ موسیقار کہاں ہے، کیونکہ اُنھیں خبر ملی ہے کہ وہ اِسی جہاز سے واپس آ رہا ہے۔ کپتان اور جہازرانوں نے جھوٹ بول دیا کہ وہ موسیقار اُن کے جہاز پر آیا ہی نہیں اور وہ پڑوسی

ریاست میں ہی رُک گیا تھا۔

لیکن سپاہیوں کو پتہ تھا کہ وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، کیونکہ موسیقار نے زمین نظر آنے پر ہی چھلانگ لگائی تھی اور وہ تیر کر کنارے پہنچ گیا تھا۔ اُن لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ زمین نظر آنے تک گا تا رہا تھا اور پھر سمندر میں کُود گیا تھا، لیکن جہاز رانوں کو پتہ نہیں تھا کہ موسیقار تیر کر کنارے پہنچ گیا تھا اور اُس نے راجہ کے محل میں جا کر ساری بات بتا دی تھی۔

راجہ نے فوراً اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جہاز کے کپتان اور جہاز رانوں کو گرفتار کر کے اس کے سامنے لایا جائے۔ کپتان اور جہاز رانوں کو دربار میں لایا گیا اور راجہ نے اُن سے پوچھا کہ موسیقار کہاں ہے؟ اُن لوگوں نے کہا کہ اُنھوں نے موسیقار کو دیکھا تک نہیں ہے، اُنھوں نے سنا تھا کہ وہ پڑوسی ریاست میں رُک گیا ہے۔

تب راجہ نے اُنھیں بتایا کہ وہ جانتا ہے کہ وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں اور اُس نے بغل کے کمرے میں بیٹھے موسیقار کو بلوالیا۔ کپتان اور جہاز رانوں کو گرفتار کر لیا گیا، موسیقار کو اُس کی دولت لوٹا دی گئی اور موسیقار کی جان بھی بچ گئی۔ یہ کہانی بتاتی ہے کہ موسیقی میں اتنی طاقت تھی کہ جہاز راں کئی گھنٹوں کے لیے مسحور رہے اور موسیقار نے اپنی جان بچالی۔ وہ تب تک گاتا اور بجاتا رہا جب تک کہ وہ اپنی حکومت کے محفوظ دائرے میں نہیں پہنچ گیا۔

جس طرح باہری موسیقی کی طاقت نے موسیقار کی جان بچالی، اُسی طرح اندرونی موسیقی کی طاقت ہماری رُوح کو بچالیتی ہے۔

یہی پیغام سنت درشن سنگھ جی اپنے اِس شعر کے ذریعے دے رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں، ''ترے نغموں کو سُن کر طائرِ دل چہچہایا ہے۔'' جب ہم ملکوتی موسیقی کو سنتے ہیں اور اندرون میں خُدا کے نُور اور آواز کے ساتھ منسلک ہوجاتے ہیں، تو ہم رُوحانی حلقوں میں اُڑان بھرنے لگتے ہیں۔ یہ سفر ہمیں ہمارے اصلی گھر 'سچ کھنڈ' لے جا کر خُدا کی گود میں پہنچا دیتا ہے۔ اندرونی روشنی اور آواز کے ساتھ ہمارا رابطہ رُوحانی میخانے کے ساقی، یعنی مُرشد کی مہربانی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

باہر کی دُنیا پیچیدگیوں سے بھری ہوئی ہے۔ بچپن میں ہمیں لگتا ہے کہ سب کچھ بہت

آسان ہے لیکن جیسے جیسے ہم بڑے ہوتے جاتے ہیں، ہمارے رشتے میں، کام کاج میں، اقتصادی معاملوں میں، صحت میں، کچھ نہ کچھ اُلجھنیں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں اور ساتھ ہی ہمارا معاشرہ اور دُنیاوی مسائل بھی ہمیں متاثر کرنے لگتے ہیں۔ جب ہمیں سمجھ میں آتا ہے کہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہے اور ہمیں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو ہم رہنمائی تلاش کرنے لگتے ہیں۔ بچپن میں ہم اسکول میں اساتذہ سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ملازمت میں ہمیں اپنے ساتھی ملازمین اور افسروں سے رہنمائی ملتی ہے۔ روزمرّہ زندگی کے مسائل کے لیے ہم اکثر اپنے دوستوں اور پڑوسیوں سے مشورہ لیتے ہیں۔ ہمیں صحیح طریقے سے زندگی گزارنے کے لیے دوسروں کی مدد اور سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن اندرونی حلقے اِس باہری دُنیا سے بہت وسیع اور پیچیدہ ہیں۔ اگر ہمیں اِن میں سفر کے دوران مناسب رہنمائی نہ ملے، تو ہم بھٹک سکتے ہیں۔ جس طرح اِس مادّی دُنیا کے قصبوں، شہروں، صوبوں اور ملک کو چلانے کے لیے لوگ ہوتے ہیں، اُسی طرح کائنات کے نچلے تین حلقوں کو بھی ایک طاقت چلاتی ہے، جسے 'کال' کہتے ہیں۔ ان تینوں حلقوں — پِنڈ، اَنڈ اور برہمنڈ — میں کال ہمارے لیے ایسے کئی جال بچھائے رکھتا ہے جن میں ہم آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔ جس طرح کچھ ملکوں میں ایسے قوانین ہیں جو اُن کے شہریوں کو دوسرے ملکوں میں جانے سے روکتے ہیں، تاکہ اُن کی اپنی مردم شماری میں کمی نہ آئے، اُسی طرح کائنات کے نچلے تینوں حلقوں کو چلانے والی طاقت بھی یہ نہیں چاہتی کہ اُس کے علاقے میں بسنے والی رُوحیں اُس کے علاقے کو چھوڑ کر اُوپر کے رُوحانی حلقوں میں چلی جائیں اور اُس کی اپنی ریاست خالی ہو جائے۔ ایک مُرشدِ کامل کی شفقت و رہنمائی سے ہماری رُوح نچلے تین حلقوں سے اُوپر اُٹھ کر، سب سے اُونچے حلقے 'سچ کھنڈ' میں پہنچ جاتی ہے اور انسانی زندگی کے اعلیٰ ترین مقصد کو حاصل کر کے خُدا میں جذب ہو جاتی ہے۔

ایک مُرشدِ کامل ہمیں اِس مادّی حلقے سے اُوپر اُٹھا کر، مکمل شعوری حلقے 'سچ کھنڈ' پہنچنے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ ایک ٹریول ایجنٹ کی طرح مُرشدِ کامل ہمیں نچلے تین حلقوں سے اُوپر کے حلقوں میں جانے کا ٹکٹ فراہم کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہمیں مُرشدِ کامل نہ ملیں، تو ہم صرف وہیں تک جا سکتے ہیں جہاں تک ہمارا رہنما خود پہنچا ہوا ہے۔ اگر ہمارا

رہنما صرف دوسرے حلقے تک پہنچا ہوا ہوگا، تو وہ ہمیں صرف وہیں تک لے جا سکے گا۔ اگر ہمارا رہنما تیسرے حلقے تک پہنچا ہوا ہوگا، تو وہ ہمیں وہیں تک لے جا سکے گا۔ لیکن جو رہنما یا رُوحانی گورو خود 'سچ کھنڈ' تک جا چکا ہے اور وہاں تک کے اندرونی راستوں سے واقف ہے، وہ ہماری رُوح کو بھی وہاں تک لے جا سکتا ہے۔ اسی لیے مُرشدِ کامل کی عظمت کو اتنی اہمیت دی گئی ہے، اسی لیے اِس شعر میں اُنھیں سلام کیا گیا ہے۔ رُوح کو اپنی آپ مخفی حالت سے باہر آنے میں نیز نچلے تینوں حلقوں سے اُوپر اُٹھنے میں لاتعداد زمانے لگ سکتے ہیں، کیونکہ راستے میں کئی پُرکشش اشیا اور جال موجود ہیں۔ جن لوگوں کو ایک ست گورو کی پناہ میں جانے کا موقع مل جاتا ہے، جیسے پچھلی صدی میں حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج، سنت کرپال سنگھ جی مہاراج اور سنت درشن سنگھ جی مہاراج تھے، وہ بے حد خوش نصیب ہوتے ہیں، کیونکہ مُرشد کی مدد سے ہی رُوح واپس اپنے اصلی گھر پہنچ کر خُدا میں جذب ہو پاتی ہے۔

موسیقار کی کہانی بتاتی ہے کہ کس طرح رُوحانی میخانے کے ساقی، یعنی مُرشدِ کامل کی مہربانی و رہنمائی سے ہماری رُوح اندرونی موسیقی یا خُدا کے ماورائی نُور اور آواز، نام یا لفظ کے ساتھ منسلک ہوسکتی ہے، تاکہ اُس کی حفاظت ہوسکے۔ کال، جو کہ نچلے تینوں حلقوں کو چلا رہا ہے، اُس کپتان کی مانند ہے جو ہمیں اپنے چنگل سے فرار ہوکر خُدا کے دربار 'سچ کھنڈ' تک جانے نہیں دینا چاہتا۔ کال ہماری اصلی دولت، ہماری رُوح کو پانا چاہتا ہے اور ہماری رُوحانی دولت کو چھین لینا چاہتا ہے۔ وہ ہمارے ذہن کو باہری دُنیا میں لگائے رکھتا ہے، تاکہ ہم اندرون میں خُدا کی تلاش نہ کریں اور کال کی سلطنت سے باہر نکلنے کی بات ہی نہ سوچیں۔

ایک مُرشدِ کامل ہمیں اندرونی موسیقی کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ جب تک ہم نام یا لفظ کے ساتھ منسلک رہتے ہیں، کال ہمیں بھٹکا نہیں پاتا۔ جب ہمیں ایک مُرشدِ کامل کے ذریعے رُشد و ہدایت ملتی ہے، ہم خُدا کے ماورائی نُور اور آواز کے ساتھ منسلک ہوجاتے ہیں۔ اُس کے بعد کال ہماری رُوح کو اپنے چنگل میں پھنسانے کے لیے ہمارے پاس نہیں آ سکتا۔ جس طرح جہاز راں تب تک موسیقار کے پاس نہیں جا پائے جب تک وہ نغمہ گاتا رہا، اُسی طرح کال بھی تب تک ہماری رُوح کے پاس نہیں آ پاتا، جب تک وہ خُدا کی ملکوتی موسیقی کے ساتھ منسلک رہتے ہیں۔ رُشد و ہدایت ہمیں اِس اندرونی موسیقی کے ساتھ جوڑ

دیتی ہے، تاکہ خُدا تک واپس جانے کے سفر کے دوران کال ہماری رُوح کو بھٹکا نہ سکے۔

مراقبہ کے ذریعے ہم اندرون میں خُدا کے نوُر اور آواز کے ساتھ منسلک رہتے ہیں۔ مراقبہ میں ہم دو قسم کے طریقوں کی مشق کرتے ہیں: ایک ہے یادداشت یا اندرونی نوُر پر ذہن مرکوز کرنا، اور دوسرا ہے بھجن، یعنی اندرونی آواز کو سُننا۔ 'بھجن' کے دوران ہم پوری طرح مطمئن اور مستحکم ہو کر اندرون میں خُدا کی ملکوتی موسیقی کو سُنتے ہیں۔ ہم اپنے اندر سُنائی دینے والی مختلف سُریلی آوازوں میں کھو جاتے ہیں۔ اِس ملکوتی موسیقی میں ڈوب جانے سے ہماری رُوح اِس کی ملکوتی لہر پر سوار ہو کر واپس اپنے سرچشمے، خُدا کے پاس پہنچ جاتی ہے۔

خُدا کے ماورائی لفظ میں ڈوبے رہنے سے ہم کال کے ذریعے بچھائے گئے کسی بھی جال میں نہیں پھنستے۔ اندرونی موسیقی کو سننے سے ہماری رُوح اِس کی لہروں میں کھنچی چلی جاتی ہے اور اِسی زندگی میں خُدا کے ساتھ جذب ہو سکتی ہے۔

سنت درشن سنگھ جی نے اِس تجربے کو بے حد خوبصورتی کے ساتھ اپنے شعر میں پیش کیا ہے: ''نوائے آگہی پر جھوم جھوم اُٹھا ہے دیوانہ۔'' یہاں سنت درشن سنگھ جی جس ''نوائے آگہی'' کی بات کر رہے ہیں، وہ ہے خُدا کی موسیقی، یا نوُر اور آواز کی لہریں۔ جس شخص نے یہ ملکوتی موسیقی سُنی ہے، وہ اِس کے بارے میں دُوسرے انسان کو کیا بتائے جس نے صرف باہری دُنیا کی موسیقی سُنی ہو؟ سُن سکنے والا انسان، ایک بہرے شخص کو آواز کے بارے میں کیسے سمجھا سکتا ہے۔ اگر ہم اِس دُنیا کی سب سے سُریلی موسیقی کے بارے میں سوچیں، تو وہ بھی خُدا کی موسیقی کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے۔ کچھ لوگ 'راک اینڈ رول' موسیقی سُن کر خوش اور مست ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ شاستریہ سنگیت سُن کر زندگی محسوس کرتے ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ مغربی موسیقی کے دیوانے ہوتے ہیں، تو کچھ ہلکے پھلکے نغمے سُننا پسند کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنی مقامی موسیقی یا اپنے علاقائی نغمے کو سُن کر مدہوش ہو جاتے ہیں، تو کچھ دوسرے کسی ساز کی سُریلی تان سے ترغیب حاصل کرتے ہیں۔ اگر ہم اِس دُنیا کے اعلیٰ ترین موسیقی کو بھی ایک ساتھ رکھ لیں، تب بھی وہ مراقبہ کے دوران سُنائی دینے والی خُدا کی موسیقی کے آگے بہت پھیکی رہے گی۔

کیوں؟ پہلی بات تو یہ کہ خُدا کی موسیقی کسی ساز سے نہیں نکل رہی ہے۔ یہ وہ لفظی

دُھن ہے جو خود خُدا سے نکل رہی ہے۔ حقیقت میں یہ تمام باہری موسیقی کا سرچشمہ ہے۔ باہری موسیقی صرف خُدا کی اندرونی موسیقی کے عکس کا عکس ہے۔ دوسری بات یہ کہ خُدا کی موسیقی ایک مقناطیسی لہر کی مانند ہے، جو ہماری رُوح کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور اپنے ساتھ رُوحانی حلقوں میں لے جاتی ہے۔ ایک بار اس ملکوتی موسیقی کے رابطے میں آجانے پر ہماری رُوح ملکوتی حلقوں میں اُڑان بھرنے لگتی ہے۔ ساتھ ہی یہ ماورائی لفظ ہمیں ناقابلِ بیان خوشی سے بھرپور کر دیتی ہے۔ ہم اِتنے زیادہ لُطف سے بھر جاتے ہیں کہ ہمارے وجود کا روم روم مستی کے عالم میں آجاتا ہے۔ یہ اعلیٰ ترین لُطف اِس مادّی دُنیا میں محسوس کیے گئے کسی بھی لُطف سے بہت زیادہ ہے۔ ایک بار ذرا اس دُنیا کے سب سے لُطف انگیز احساس کے بارے میں سوچیے۔ لیکن وہ بھی اُس لامحدود اعلیٰ ترین لُطف کے آگے پھیکے رہتے ہیں جو ہماری رُوح کو خُدا کے نُور اور سماعت کے ساتھ منسلک ہونے پر اور اندرونی حلقوں کا سفر کرنے پر محسوس ہوتی ہے۔

ایک بار اِس لامحدود خوشی کا احساس کر لینے پر ہم، سنت درشن سنگھ جی کے الفاظ میں، ''دیوانہ'' بن جاتے ہیں۔ دیوانہ وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کو لے کر اس قدر عشق و مستی میں رہتا ہے کہ وہ کبھی محبوب سے الگ ہونا نہیں چاہتا۔ ہم اپنے محبوب کی صُحبت میں ہی رہنا چاہتے ہیں کیونکہ وہاں ہمیں اعلیٰ ترین لُطف کا احساس ہوتا ہے۔ ہم اُس لُطف اور خماری کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

جن لوگوں نے کبھی عشق کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جب ہم عشق میں ہوتے ہیں تو ہم اندر سے کتنی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ عشق میں ہمیں ہر چیز خوبصورت لگنے لگتی ہے، سب کچھ صحیح، خوشیوں سے لبریز اور خوبصورت لگتا ہے۔ عشق میں ہمیں ہر چیز خوشنما لگتی ہے۔ یہی حالت ہم پاتے ہیں جب خُدا کے ماورائی نُور اور آواز کا احساس کرتے ہیں۔

جو لوگ اندرون میں مراقبہ کر کے خُدا کے لفظ کا احساس کرتے ہیں، وہ اعلیٰ ترین شعوری طاقت سے منسلک ہو جاتے ہیں، جو اُنھیں ہمیشہ کی مستی میں پہنچا دیتی ہے۔

سنت درشن سنگھ جی کی یہ غزل بتاتی ہے کہ کس طرح ہم متلاشی رُوحانی بیداری حاصل کرنے کے بعد آہستہ آہستہ اُس اعلیٰ ترین حالت تک پہنچ جاتے ہیں، جہاں وہ خود کو ایک

بیداری کا ملکوتی علم

رُوح، خُدا کا جُز محسوس کرنے لگتی ہے۔ اِس کا ثبوت اندرون میں ماورائی نوُر اور آواز کا احساس کر کے مل سکتا ہے۔ لیکن اِس کے ساتھ متلاشی کو اور بھی بہت کچھ ملتا ہے۔ اُسے نہ صرف اپنے رُوحانی سوالات کے جواب ملتے ہیں، بلکہ نا قابلِ بیان خوشی، لُطف اور مستی بھی حاصل ہوتی ہے۔

متلاشی شخص اُس ہستی کے تئیں احسان محسوس کرتا ہے جس نے اُس کے رُوحانی تجسّس کو حل کیا ہے اور اُسے رُوحانی مستی کا احساس فراہم کیا ہے۔ وہ متلاشی اب ایک دیوانہ بن جاتا ہے، کیونکہ اُسے احساس ہو جاتا ہے کہ ماورائی ساقی نے اُسے کتنا عظیم تحفہ بخشا ہے۔ چونکہ خُدا کے عشق کی یہ ماورائی شراب اور اندرونی روشنی و آواز، متلاشی کو اتنا فراہم کر دیتی ہے جتنا اِس دُنیا کی کوئی بھی مادّی چیز نہیں دے سکتی، اسی لیے وہ دیوانہ متلاشی بار بار اِس احساس کو اپنانا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک سچّا متلاشی، خُدا اور مُرشد کے عشق میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اندرونی مستی اور احسان مندی کے اس عالم میں دیوانہ متلاشی شعر کا یہ مصرع پکار اُٹھتا ہے:

سلام اے پیرِ میخانہ

باب—7

تیری رحمت کا دامن

اُٹھائے میکشوں نے جام گردش میں شراب آئی
تری رحمت کا دامن چھُو کے صبحِ کامیاب آئی
عطا ہو جائے مجھ کو بھی مرے حصّے کا پیمانہ
سلام اے پیرِ میخانہ!
سلام اے پیرِ میخانہ!

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

اس شعر میں سنت درشن سنگھ جی ماورائی میخانے کے ساقی سے ایک درخواست کر رہے ہیں۔ شاعر دیکھتا ہے کہ میخانہ بہت سارے میکشوں یا پینے والوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سب اپنے خیالی پیمانے لے کر وہاں آئے ہیں، تاکہ وہ عشقِ الٰہی کی مست شراب سے لبریز ہو جائیں۔ شاعر یہ دیکھ کر حیران ہے کہ جو بھی میکش آ رہا ہے، اُس کا پیمانہ بھرا جا رہا ہے۔ ہر پیمانہ، چاہے کسی بھی رنگ، کسی بھی شکل، کسی بھی ساخت کا ہو، پورا بھرا جا رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ ماورائی ساقی کے پاس عشقِ الٰہی کی لامحدود شراب ہے۔ چاہے کتنے بھی میکش آ جائیں، وہ سب جی بھر کر پی سکتے ہیں تاکہ اُن کی رُوحانی پیاس بجھ جائے۔

شاعر یہ بھی دیکھتا ہے کہ سبھی پیمانے پوری طرح سے لبریز ہیں۔ ساقی کو اِس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ ہماری جِلد کا رنگ کالا ہے یا گورا، آنکھوں کا رنگ نیلا ہے یا بھورا، ہرا ہے یا کالا۔ ساقی کو اس بات سے بھی سروکار نہیں کہ ہم امیر ہیں یا غریب تعلیم یافتہ ہیں یا جاہل۔

ساقی تو سبھی میں برابر بانٹتا ہے۔ جس طرح باہری دُنیا کے شراب خانے میں پینے والے اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اُن کے ساتھ پی رہے لوگ اُنھیں کے مذہب یا قومیت کے ہیں یا نہیں، اُسی طرح رُوحانی میخانے میں بھی سب لوگ یکساں ہیں اور سبھی عشقِ الٰہی سے بھر جاتے ہیں۔

شعر کا مصرع ''صبحِ کامیاب آئی'' بھی قابلِ ذکر ہے۔ رُوحانی ساقی کسی ایک مُلک کے لوگوں کے لیے نہیں آتا۔ عشقِ الٰہی کی شراب ساری دُنیا کے لیے ہے۔ ساقی کا کام ہے اِس رُوحانی شراب کو دونوں ہاتھوں سے لُٹانا، تاکہ پوری دُنیا کے متلاشی اِسے پی سکیں۔ ساقی اپنے پاس آنے والی سبھی پیاسی رُوحوں کو دِل کھول کر یہ رُوحانی شراب پلاتا ہے۔

اب سنت درشن سنگھ جی پوری نزاکت کے ساتھ ساقی سے درخواست کر رہے ہیں کہ اُن کو بھی اِس ماورائی شراب کا جام پلایا جائے۔ اُنھیں ڈر ہے کہ کہیں ساقی اُنھیں نظرانداز کر کے آگے نہ بڑھ جائے۔ وہ منتظر ہیں کہ اُنھیں بھی اُن کے حصّے کی مستی اور خماری حاصل ہو۔ وہ اُمید کر رہے ہیں کہ رُوحانی ساقی اُنھیں بھی جام دے گا، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اِس ماورائی شراب سے، یعنی خُدا کے نُور اور آواز سے دُور ہونا کتنا تکلیف دہ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ عشقِ الٰہی کے سرچشمے سے دُور ہونا کتنا دردناک ہوسکتا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ مستی ختم ہوجائے، اسی لیے وہ ساقی سے درخواست کر رہے ہیں کہ اُنھیں اُن کے حصّے کا جام دے دیا جائے۔

رُوحانی متلاشی کی کہانی اب خُدا کے عشق کی کہانی بن جاتی ہے۔ ایک بار اندرون میں ملکوتیت کا احساس کر لینے کے بعد ہم دیوانے ہوجاتے ہیں اور بار بار اُسی مستی کا احساس کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اِس انمول تحفے کے لیے رُوحانی ساقی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ پھر ہم ساقی سے درخواست کرنے لگتے ہیں کہ وہ خُدا کی ماورائی شراب کو ہماری جانب بھیجتے رہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جتنا ہم اِس ماورائی شراب کو پئیں گے، اُتنا ہی اِسے اور پینا چاہیں گے۔ جتنا زیادہ ہم اِسے پینا چاہیں گے، اُتنا ہی زیادہ وقت ہم بھجن و مراقبہ میں لگائیں گے۔ جتنا وقت ہم مراقبہ میں دیں گے، اُتنا ہی ہم اندرون میں ترقی کرتے چلے جائیں گے، خُدا کے لفظ میں ڈوبتے چلے جائیں گے۔ جیسے جیسے ہماری اندرونی ترقی ہوگی، ہمارا پیمانہ بھی بڑا

ہوتا جائے گا۔ خُدا کے عشق کی ہماری ضرورت بڑھتی جائے گی۔ جتنا زیادہ ہم پائیں گے، اُتنا ہی اور زیادہ پانا چاہیں گے۔ جتنا زیادہ ہم پانا چاہیں گے اُتنا ہی اور زیادہ ہمیں ملے گا۔ بالآخر ہمارا پیمانہ عشقِ الٰہی کے لامحدود بحرِ اعظم کی شکل لے لے گا۔ یہ پیمانہ ماورائی عشق، نوُر، آواز اور اعلیٰ ترین لُطف کا بحرِ اعظم بن جائے گا۔

رُوحانی شخصیتیں ہمیشہ سے اندر پوشیدہ رُوحانی خزانوں کو پانے میں ہماری مدد کرتی آئی ہیں۔ وہ ہر وقت ہمیں پُکار رہی ہیں۔ ہم تب تک اُنھیں نہیں سُن پاتے یا اُن پر بھروسہ نہیں کر پاتے، جب تک اُن کی پکار کو سُننے لائق نہیں ہو جاتے۔ تب ذاتی تجربہ کے بعد ہی ہماری رُوحانی بیداری ہوتی ہے۔ اِس بیداری کو پانے کے بعد ہمیں اِس کی اصلی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور ہم بھی اس کے لیے شکرگزاری کرنے لگتے ہیں، جیسے کہ سنت درشن سنگھ جی کر رہے ہیں:

سلام اے پیرِ میخانہ
سلام اے پیرِ میخانہ

حصّہ—3

منزل
اور
رہبر

باب–8

منزل، رہبر اور عزمِ رندانہ

مصیبت میں ہمیشہ ہم ترا ہی نام لیتے ہیں
ترے بندے نیازِ بندگی سے کام لیتے ہیں
تُو ہی منزل، تُو ہی رہبر، تُو ہی ہے عزمِ رِندانہ
سلام اے پیرِ میخانہ!
سلام اے پیرِ میخانہ!

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

زندگی میں اُتار چڑھاؤ آتے ہی رہتے ہیں۔ بغیر کسی مسئلہ کے پوری زندگی گزر جانا بہت کمیاب ہے۔ زندگی میں ہمیں ایسے کئی حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ہمیں دُکھ درد پہنچاتے ہیں۔ ہمیں جسمانی مرض اور ناگہانی حادثوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اقتصادی معاملوں کی جانب دیکھا جائے، تو کبھی ہمارے پاس دولت ہوتی ہے، کبھی نہیں ہوتی۔ جب ہمارا کوئی رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، یا ہماری اولاد گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے، یا ہمارے ماں باپ یا کسی دوسرے رشتے دار کی مَوت ہو جاتی ہے تو ہمیں اپنے عزیزوں کا بچھڑنا سہنا پڑتا ہے۔ جب ہماری خواہشات یا توقعات پوری نہیں ہوتیں، تو ہمیں کئی طرح کی مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ پیدائش کے وقت، اِس دُنیا میں داخل ہوتے وقت بھی ہمیں درد کا احساس کرنا پڑتا ہے۔ زندگی میں اتنی ساری تکلیفوں سے گزرتے ہوئے کئی بار ہم ہمت ہارنے لگتے ہیں۔

جب چیزیں ہمارے لیے ٹھیک چل رہی ہوں، تو ہم خُدا کے بارے میں کم ہی سوچتے

ہیں۔ لیکن جیسے ہی ہمارے سامنے کوئی مصیبت یا تکلیف آ کھڑی ہوتی ہے، ہمیں فوراً خُدا کی یاد آ جاتی ہے اور ہم مدد کے لیے اُن سے دُعا کرنے لگتے ہیں۔ سنت درشن سنگھ جی نے اس غزل میں اِسی حالت کو بیان کیا ہے۔ اُنھوں نے سمجھایا ہے کہ ایسے مشکل وقت میں ایک مُرشدِ کامل کی پناہ میں رہنے سے ہمیں کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ جب ہم زندگی میں کسی پریشانی سے گزر رہے ہوتے ہیں اور اپنی جانب سے تمام کوششیں کرنے پر بھی جب ہماری مشکل حل نہیں ہوتی ہے، تو ہم دُعا کرتے ہیں۔ دُعا سے کبھی ہماری تکلیف دُور ہو جاتی ہے، کبھی نہیں ہوتی۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ متعدّد دُعائیں کرنے کے باوجود ہماری حالت میں کوئی بہتری نہیں آتی۔ ایسے وقت میں ہمیں شک ہونے لگتا ہے کہ خُدا حقیقت میں ہے بھی یا نہیں۔ ہم سوچنے لگتے ہیں، ''خُدا نے ہماری دُعا کیوں نہیں قبول کی۔''

اِس شعر میں اُس وقت کی بات کہی جا رہی ہے جب ہم کسی تکلیف کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں اور مدد کے لیے دُعا کرتے ہیں۔ اِس شعر میں یہ بھی سمجھایا جا رہا ہے کہ ایک مُرشدِ کامل کی پناہ میں رہنے کے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں۔ اس میں مُرشد یا رُوحانی ساقی کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ کیسے قدم قدم پر، الگ الگ طریقوں سے، ہماری مدد کرتے ہیں۔ مصیبت کے وقت، ہم اپنے مُرشد کو ہی مدد کے لیے پکارتے ہیں۔

کوئی تکلیف آنے پر مُرشد کے ذریعے ہمیں جو مدد ملتی ہے، وہ ناقابلِ یقین اور ناقابلِ بیان ہے۔ پچھلے ایک شعر میں سنت درشن سنگھ جی مہاراج ست سنگ یا ماورائی میخانے کے فوائد کے لیے شکرگزاری کر رہے تھے، جہاں پر ہم ایک مُرشدِ کامل کی شرن میں پہنچتے ہیں اور اُن کی رہنمائی میں اِسی زندگی میں اپنے رُوحانی ہدف کو پا سکتے ہیں۔ یہاں، اِس شعر میں، رُوحانی میخانے کے پیر کو سلام پیش کرنے نیز مُرشد کا شکریہ ادا کرنے کی ایک اور وجہ بیان کر رہے ہیں۔ ایسی کئی مثالیں ہیں جہاں مختلف جسمانی بیماریوں کے شکار لوگوں نے یا کسی سنگین ذہنی تناؤ یا جذباتی اُلجھن سے گزر رہے لوگوں نے، مُرشد کو اپنے مسئلے کے بارے میں خط لکھا یا اُن سے ملاقات کی یا اُنھیں کسی دوسرے طریقے سے اپنی تکلیف کے بارے میں بتایا۔ اُن لوگوں نے پایا کہ کچھ ہی دِنوں یا ہفتوں میں، یا کبھی کبھی اُسی وقت، اُن کی تکلیف پوری طرح ختم ہو گئی یا اُنھیں اپنے مسئلے کا بہتر طریقے سے سامنا

کرنے کی ہمّت ملی۔

جب ہم مصیبت کے وقت مُرشد کو مدد کے لیے پُکارتے ہیں، تو وہ مدد ہم تک کیسے پہنچتی ہے؟ ہم سب کے ساتھ اعمال جڑے ہوئے ہیں۔ جب تک ہماری رُوح اعمال کے بوجھ سے پوری طرح نجات حاصل نہیں کرلیتی، تب تک وہ خُدا میں جذب نہیں ہوسکتی۔ اپنے آپ اِن اعمال کی ادائیگی میں ہمیں شاید لامحدود جنم لگ جائیں۔ ہمارے اعمال کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے جمع کردہ اعمال— وہ سبھی عمل جو ہم نے اپنے تمام پچھلے انسانی جنموں کے دوران جمع کیے ہیں— اِن جمع شدہ اعمال میں سے ایک حصہ ہمیں اِس زندگی میں کاٹنے کے لیے دیا جاتا ہے، جنھیں پچھلے اعمال کہتے ہیں۔ یہ وہ اعمال ہوتے ہیں جنھیں ہم اِس زندگی میں بھگتتے ہیں۔ اِس کے علاوہ، ہم روزمرّہ کی زندگی میں بھی نئے اعمال کرتے ہیں، جنھیں ہم موجودہ اعمال کہتے ہیں۔ روزانہ ہم اپنے خیالات، بول اور کاموں سے نئے عمل بناتے ہیں۔

جب ایک مُرشدِ کامل ایک شاگرد کو مُریدی اور رُشد و ہدایت دیتا ہے، تو اِس کے ساتھ وہ ایک خاص مہربانی بھی کرتا ہے۔ مُریدی کے وقت مُرشد کی ماورائی قوّت ہمارے جمع شدہ اعمال کے ذخیرے کو ختم کردیتی ہے۔ یہ ہمارے اعمال کا سب سے بھاری بوجھ ہوتا ہے۔ مریدی کے دوران مُرشد کی طاقت ہمارے اِن جمع شدہ اعمال کو ختم کردیتی ہے۔ مُرشد کی طاقت ہمارے پچھلے اعمال کا بھی خاتمہ کرسکتی ہے، لیکن اگر یہ اعمال ختم ہوجائیں گے تو ہماری رُوح کے ساتھ کوئی عمل جڑا ہوا نہیں رہ جائے گا۔ اِس کا مطلب ہے کسی بھی عمل کی ادائیگی باقی نہیں رہے گی، پھر ہماری یہ مادّی زندگی ختم ہوجائے گی، ہماری مَوت ہوجائے گی۔ اِسی وجہ سے مریدی کے وقت مُرشد ہمارے پچھلے اعمال کو نہیں چھیڑتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اِس زندگی کے اختتام تک ہمارے سارے پچھلے اعمال اپنے آپ ختم ہوجائیں گے۔ یہی پچھلے اعمال ہماری زندگی میں اُتار چڑھاؤ لاتے ہیں۔ یہ ہماری زندگی کے دوران اپنے آپ کٹتے چلے جاتے ہیں، اسی لیے مُرشد اِنھیں نہیں چھیڑتے۔ لیکن جب اِن اعمال کی وجہ سے ہماری زندگی میں کوئی بڑی تکلیف آتی ہے، تو مُرشد کی طاقت اُسے برداشت کرنے میں ہماری معاونت ضرور کرتی ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے بچّے کو درد ہورہا ہو، تو ماں باپ اُس کے

درد کو کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ جب بچّہ اپنے والدین کی گود میں ہوتا ہے، تو وہ خود کو محفوظ تصوّر کرتا ہے اور اُس کا درد کم ہو جاتا ہے یا بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح، مُرشد کی طاقت ہمارے تئیں عشق اور شفقت سے بھرپور ہونے کی وجہ سے ہماری مدد کرتی ہے۔

اعمال کا قانون، عمل اور ردِّعمل کا قانون ہے، جو کہتا ہے، ''آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔'' یہ قانون کہتا ہے کہ اگر ہم اچھّے کام کریں گے تو ہمیں اُن کا اچھا پھل ملے گا اور اگر ہم بُرے کام کریں گے تو ہمیں اُن کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ لیکن مُرشد کی طاقت شفقت کے قانون کے تحت کام کرتی ہے۔ ماں باپ کی طرح مُرشد بھی اپنے بچّے جیسے مُرید کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ اسی لیے وہ کئی بار اُس تکلیف کو اپنے اُوپر لے کر مُرید کی تکلیف کو ختم کر دیتا ہے۔ اِس سے مُرید کو اپنے درد سے راحت مل جاتی ہے۔ اور چونکہ اُس اعمال کو بھگتنا ہی ہوتا ہے، اسی لیے مُرشد اُسے اپنے جسم پر لے کر بھگت لیتا ہے۔ اِسی وجہ سے ہم کئی بار مُرشد کو سنگین جسمانی تکلیف برداشت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ وہ تکلیف اُن کے اپنے اعمال کی وجہ سے نہیں ہوتی، بلکہ اس لیے ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے مُرید کے اعمال اپنے جسم کے اُوپر لے لیتے ہیں۔

اِسے سمجھانے کے لیے ایک جج کی کہانی بتائی جاتی ہے، جو کئی سال پہلے فرانس میں رہتا تھا۔ اُسے ایک انصاف پسند اور رحم دِل جج مانا جاتا تھا۔ ایک دن عدالت میں اُس کے سامنے ایک مقدمہ لایا گیا۔ ایک زمیندار، جو کرایے پر مکان دیتا تھا، نے ایک غریب بیوہ عورت پر مقدمہ کیا تھا جو اُسی کے ایک مکان میں کرایہ دار تھی۔ اُس عورت نے ایک مہینے کا کرایہ نہیں دیا تھا۔ کرایہ نہ دینے پر جب زمیندار نے اُسے گھر سے باہر نکالنے کی کوشش کی، تو اُس عورت نے زمیندار کو گھر کے اندر نہیں گھُسنے دیا۔ اسی لیے زمیندار نے اُس پر مقدمہ دائر کر دیا تھا۔

جب اُس جج کے سامنے یہ مقدمہ لایا گیا، تو اُس نے دیکھا کہ اقرارنامے کے کاغذات میں چھوٹے چھوٹے الفاظ میں یہ شرط لکھی ہوئی تھی کہ زمیندار جب چاہے اپنے کسی بھی مکان میں داخل ہو سکتا ہے، چاہے وہ مکان کرایے پر اُٹھا ہوا ہو۔ اکثر اقرارنامے میں چھوٹے چھوٹے الفاظ میں کچھ شرائط لکھی ہوتی ہیں، جسے اکثر لوگ پڑھتے نہیں ہیں، اور اگر پڑھتے

بھی ہیں تو اُنھیں وہ پیچیدہ قانونی زبان سمجھ میں نہیں آتی۔

جج سمجھ گیا کہ اُس عورت کو اس شرط کے بارے میں پتہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ کافی چھوٹے چھوٹے الفاظ میں لکھی ہوئی تھی اور ایسی دقیق قانونی زبان میں تھی کہ اُسے اِس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا ہوگا۔

جب جج نے دیکھا کہ قانونی طور پر زمیندار کا مقدمہ مضبوط ہے، تو اُس نے زمیندار سے کہا کہ وہ اُس عورت کے تئیں نرمی دِکھائے۔ جج نے کہا، ''یہ ایک غریب بیوہ ہے۔ اِس نے جان بوجھ کر آپ کو مکان میں گھسنے سے منع نہیں کیا۔ یہ بہت مشکل وقت سے گزر رہی ہے۔ آپ اِس پر تھوڑی مہربانی کیوں نہیں کرتے؟ کیا اِس بیچاری پر اِتنا ظلم کرنا ٹھیک ہے؟''

لیکن وہ زمیندار بڑا سخت دِل تھا۔ اُس نے اُس عورت کے خلاف مقدمہ واپس لینے سے انکار کر دیا اور بولا، ''نہیں، نہیں۔ مجھے ہر حال میں اپنا کرایہ چاہیے۔ ساتھ ہی میں چاہتا ہوں کہ اِس عورت کو سزا دی جائے۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ میرے قانونی خرچ کو بھی یہی ادا کرے۔''

جج جانتا تھا کہ اقرار نامے کی شرط کے مطابق اُس عورت نے زمیندار کو گھر میں داخل ہونے سے منع کر کے بڑی غلطی کی ہے۔ جج کو بہت تکلیف ہو رہی تھی کہ اُسے ایک غریب بیوہ کے خلاف فیصلہ سنانا ہوگا، اُسے قانون کا پالن کرنا ہی ہوگا۔ لیکن وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ اُس غریب عورت کا گھر نہ چھوٹے اور نہ ہی اُسے کوئی اقتصادی جرمانہ ادا کرنا پڑے، جسے ادا کرنے سے وہ بالکل قاصر ہے۔

جج نے ایک بار پھر زمیندار کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اُس نے کہا، ''اِس عورت نے جان بوجھ کر اقرار نامے کی شرط اور قانون کو نہیں توڑا ہے، اِس نے جان بوجھ کر آپ کو کوئی اقتصادی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ کیا آپ یہ مقدمہ واپس نہیں لے سکتے؟''

زمیندار نہ صرف پتھر دِل تھا، بلکہ ضدی بھی تھا۔ اُس نے مقدمہ واپس لینے سے صاف صاف انکار کر دیا۔

جج کو آخر کار قانون کا پالن کرنا پڑا اور اُس عورت کے خلاف فیصلہ سنانا پڑا، جس میں قبول کیا گیا تھا کہ اُس نے اقرار نامے کی شرط کو توڑا ہے اس لیے اُسے سزا بھگتنی ہوگی۔ وہ

سزا یہ تھی کہ عورت نہ صرف پورا کر یہ زمیندار کو دے، بلکہ ساتھ ہی شرط کو توڑنے کی رقم اور مقدمے کا پورا خرچ بھی برداشت کرے۔ یہ فیصلہ سُناتے وقت جج کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، کیونکہ اُسے پتہ تھا کہ وہ غریب عورت اِتنا پیسہ نہیں دے پائے گی۔ حالانکہ وہ قانون کے ہاتھوں مجبور تھا، لیکن اُس کے دِل میں اُس عورت پر رحم آ رہا تھا۔

فیصلے میں یہ بھی شامل تھا کہ جرمانہ نہ دینے پر، اقرارنامے کی شرائط کے مطابق، اُس عورت کا مکان، اُس میں موجود سامان کے ساتھ، ضبط کرلیا جائے گا۔ وہ عورت یہ فیصلہ سُن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور بولی، ''یا خُدا، اگر تم انصاف پسند اور رحم دِل ہو تو تم بیواؤں اور یتیموں کی حفاظت کرو۔''

جج اپنی کرسی سے اُٹھ کر اُس عورت کے پاس گیا اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ فیصلہ نہیں بدل سکتا، اُس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اپنا بٹوہ باہر نکالا۔ پھر اُس نے کچھ نوٹ گنے اور عورت کو وہ پورا پیسہ دے دیا جو اُسے سزا کے طور پر، مقدمے کے خرچ کے طور پر نیز کرائے کے طور پر دینا تھا۔ عورت کو اتنی رقم مل گئی کہ وہ پورا جرمانہ بھی بھر سکے اور اپنے گھر میں رہتی بھی رہے۔

جج کی مہربانی پر عورت کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اُسے بھروسہ نہیں ہو رہا تھا کہ جج اجنبی ہونے کے باوجود اُس کے لیے اتنا کچھ کر رہا ہے۔

اُس نے جج سے کہا، ''آپ کی مہربانی اور سخاوت کے لیے بہت بہت شکریہ! آپ مجھے اس رقم کو لوٹانے کے لیے کتنا وقت دیں گے؟ میں آپ کو یہ رقم کب واپس کروں؟''

جج نے بہت خوبصورت جواب دیا، ''جب میرا ضمیر مجھے کہے گا کہ تمھیں یہ رقم دے کر اور تمہاری مدد کر کے میں نے غلط کیا ہے۔''

وہ عورت سمجھ گئی کہ حالانکہ جج ہونے کے ناطے اُسے یہ سخت فیصلہ سُنانا پڑا، لیکن وہ مدد کے رُوپ میں دی گئی رقم واپس نہیں لینا چاہتا ہے کیونکہ اُس کا ضمیر اور سخاوت کی عادت نے اُسے اُس عورت کی مدد کرنے کی ترغیب دی ہے اور وہ دِل سے مانتا ہے کہ کسی ضرورت مند کی مدد کر کے وہ کچھ غلط نہیں کر رہا ہے۔

اُس جج کی مہربانی پورے شہر میں مشہور تھی نیز اُسے انصاف پسندی اور رحم دِلی کے

سنگم کی عظیم مثال مانا جاتا تھا۔ یہ واقعہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ رُوحانی قانون کیسے کام کرتا ہے۔ اُس جج کی طرح مُرشد بھی رحم کے قانون کے تحت کام کرتے ہیں۔

کائنات میں دو قسم کے قوانین کام کر رہے ہیں۔ ایک ہے اعمال کا قانون اور دوسرا ہے رحم کا قانون۔ زندگی گزارتے ہوئے ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہماری زندگی کا اکثر حصّہ اعمال کے قانون کے تحت چل رہا ہے۔ ہمارا یہ جسمانی حلقہ کائنات کے نچلے تین حلقوں کا حصّہ ہے، جو اعمال کے قانون کے مطابق کام کرتا ہے۔ لیکن مُرشد رحم کے قانون کے تحت کام کرتے ہیں۔ وہ ہماری دیکھ بھال کرتے ہیں، ہم سے بے حد محبّت کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے رُوحانی ہدف تک جلد سے جلد پہنچ جائیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اِس زندگی میں جن مشکلوں سے ہم گزر رہے ہیں، وہ سب ہمارے اپنے پچھلے اعمال کی وجہ سے ہیں، لیکن وہ ہم پر رحم کر کے اکثر ہماری تکلیفوں کو اپنے اُوپر لے لیتے ہیں۔

تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ سَنت مسلک کی عظیم شخصیتوں نے بہت تکلیفیں برداشت کیں، کیونکہ اُنھوں نے اپنے مُریدوں کے اعمال اپنے اُوپر لے لیے تھے۔ ایک بار سنت درشن سنگھ جی مہاراج، سنت کرپال سنگھ جی مہاراج کے ساتھ تھے، اُنھوں نے دیکھا کہ چائے کا کپ اُٹھاتے وقت مہاراج جی کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ ہم اپنے مُرشد کو کسی بھی طرح کی تکلیف میں نہیں دیکھ پاتے، اسی لیے سنت درشن سنگھ جی مہاراج کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سنت کرپال سنگھ جی نے فرمایا، ''درشی (سنت درشن سنگھ جی کا پیار کا نام)، تمہاری آنکھیں کیوں بھر آئی ہیں؟'' سنت درشن سنگھ جی خاموش رہے، کیونکہ وہ سنت کرپال سنگھ جی کے سامنے بولتے کم تھے اور سُنتے زیادہ تھے۔ تب سنت کرپال سنگھ جی نے فرمایا، ''درشی، کیا تمہیں نہیں پتہ کہ میں نے ابھی کتنی ساری رُوحوں کو مریدی دی ہے؟'' اِس جُملے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مُرشد کی طاقت کس طرح ہمارے اعمال کو اپنے اُوپر لے کر ہمارے بوجھ کو ہلکا کر دیتی ہے۔ تو مُرشد کی مدد اِس طرح ہم تک پہنچتی ہے۔ ایک طرف وہ جانتے ہیں کہ ہمیں عمل اور ردِّ عمل کے قانون کے مطابق اپنے اعمال کاٹنے ہی ہوں گے، لیکن دُوسری طرف وہ اِس میں ہماری مدد بھی کرتے ہیں۔ وہ ایسا کئی طریقوں سے کرتے ہیں۔

سب سے پہلے، وہ مریدی کے وقت ہمارے اعمال کا لیکھا جوکھا اپنے قبضے میں لے

لیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم نے خود ایسے کام کیے ہیں جن کے نتیجے میں ہمارے کئی اعمال بن گئے ہیں اور ہمیں اِن اعمال کا انجام بھگتنا ہی ہوگا۔ لیکن مریدی کے وقت، خُدا کا ماورائی نُور اور سماعت کے ساتھ منسلک ہونے کا ایک فائدہ ہمیں یہ ہوتا ہے کہ ہمارے مُرشد ہمارے اعمال کا لیکھا جوکھا اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں نیز ہمارے جمع شدہ اعمال کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔

دوسرے، وہ پچھلے اعمال کی انجام دہی میں ہماری مدد کرتے ہیں اور ہماری کچھ بڑی تکلیفوں کو اپنے اُوپر لے لیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اعمال کے قانون کے مطابق ہمارے پچھلے اعمال کو انجام تک ضرور پہنچنا ہے، لیکن رحم کے قانون کے چلتے رحم دِل مُرشد ہمارے کچھ اعمال کو اپنے جسم پر لے کر کاٹ دیتے ہیں، تاکہ ہمارا بوجھ اور تکلیف کم ہو سکے۔

تیسرے، وہ ہمیں زندگی گزارنے کا ایسا طریقہ سکھاتے ہیں جس سے روزمرّہ زندگی میں ہمارے نئے اعمال کم بنیں۔ وہ ہمیں عدم تشدّد، سچائی، بے غرض خدمت، عشق، نرم دِلی اور پاکیزگی جیسی خوبیوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی تعلیم دیتے ہیں، تاکہ ہم اپنی روزمرّہ زندگی میں کم سے کم نئے اعمال بنائیں۔ اس طرح ایک صاف و پاکیزہ زندگی گزارنے سے ہمارے کئی نئے اعمال نہیں بنتے نیز زندگی کا آخری وقت آنے پر ہماری رُوح کے ساتھ کسی بھی طرح کے اعمال منسلک نہیں رہ جاتے۔

ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں ایسے مُرشد کی پناہ میں آنے کا موقع ملا ہے جو اُس کہانی کے جج کی طرح رحم و شفقت سے لبریز ہیں۔ حالانکہ مُرشد نچلے تین حلقوں کے قانون کے تحت رہ کر کام کرتے ہیں، پھر بھی وہ ہماری مدد کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ تلاش کر لیتے ہیں۔

کہانی کی بیوہ عورت کی طرح ہم بھی لاعلم ہیں۔ ہم اپنی زندگی کا اقرار نامہ نہیں پڑھتے اور غلطیوں پر غلطیاں کرتے چلے جاتے ہیں۔ ہم اِس دُنیا کو چلانے والے کئی قوانین جیسے عدم تشدّد، سچائی، پاکیزگی، نرم دِلی اور بے غرضی کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں لگتا ہے کہ ہم بغیر کسی چیز کی پرواہ کیے زندگی گزارتے چلے جائیں گے، کائنات کے قوانین کو توڑتے رہیں گے اور ہمیں اِس کی سزا بھی نہیں بھگتنی پڑے گی۔ ہم اخلاقی خوبیوں سے لبریز زندگی گزارنے کے قوانین کی لگاتار خلاف ورزی کرتے ہیں۔ لیکن کال، جو ہمارے تمام اعمال کا لیکھا جوکھا رکھتا ہے، ہمارے ہر خیال، بول اور کام کو ریکارڈ کرتا رہتا ہے اور اُسی کے مطابق

زندگی کے آخر میں ہم پر مقدمہ دائر کرتا ہے۔

مُرشد سخی ہوتے ہیں اور جانتے ہیں کہ انسان ہونے کے ناطے ہم غلطیاں ضرور کریں گے۔ اسی لیے وہ ہم پر رحم کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہمیں ہماری غلطیوں کی سزا بھگتنے دیتے ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ ہماری مدد کرنے کے طریقے بھی تلاش کر لیتے ہیں۔ اگر اُنھیں لگتا ہے کہ فلاں سزا بھگتنے سے ہمیں فائدہ پہنچے گا اور ہمارے اندر سدھار آئے گا، تو وہ ہمیں اُس تکلیف سے گزرنے دیتے ہیں۔ لیکن اگر اُنھیں لگتا ہے کہ فلاں سزا بہت سنگین ہے اور ہم اُسے جھیل نہیں پائیں گے، تو کئی بار وہ اُس عمل کو اپنے اُوپر لے کر ہمارا بوجھ کم کر دیتے ہیں۔ وہ ہمیں اُس تکلیف سے بچنے کا ایک اور طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ اگر ہم صحیح طریقے سے مراقبہ کریں اور خُدا کے غیر مرئی نام نیز ملکوتی نُور و آواز میں جذب ہو جائیں، تو ہمارے اعمال کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح خُدا کا نُور اور سماعت پر مراقبہ کرنے کا مزید فائدہ ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ ہمارے اعمال کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔

جہاں ایک طرف مُرشد رحم کے قانون کے تحت کام کرتے ہیں، وہیں دُوسری طرف وہ ہم سے اُمید کرتے ہیں کہ ہم بھی اپنے اُوپر رحم کریں۔ ایسا ہم مراقبہ میں وقت دے کر کر سکتے ہیں۔ وہ ہماری مدد ضرور کرتے ہیں، لیکن ایک حد تک ہی۔ ہمیں بھی تھوڑی ذمہ داری اپنے اُوپر لینی ہوگی اور آخر میں مراقبہ کرنا ہوگا، تاکہ ہمارے اعمال کا خاتمہ ہو سکے۔ وہ ہمیں ترغیب دیتے ہیں کہ ہم روزانہ ڈھائی گھنٹے مراقبہ کریں، صرف اس لیے نہیں کہ ہم جسمانی شعور سے اُوپر اُٹھ کر اندرونی حلقوں میں جا کر خُدا میں جذب ہو سکیں، بلکہ اس لیے بھی کہ ہمارے اعمال جلد سے جلد ختم ہو سکیں۔ ہمیں خود اپنے آپ پر رحم کرنا ہوگا اور باقاعدگی سے مراقبہ کرنا ہوگا۔ اِس سے ہم مُرشد کی مدد کرتے ہیں تاکہ وہ بھی ہماری مدد کر سکیں، اور ساتھ ہی ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ہماری زندگی پہلے سے آسان ہوگئی ہے، کیونکہ ہمارے اعمال کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہے اور ہم خُدا کے پاس واپس جانے کے راستے پر تیزی سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ایک بار بابا جئے مَل سنگھ جی کے ایک مُرید نے اُن سے درخواست کی کہ وہ اُس کے ایک دوست کو بھی مریدی بخش دیں۔ بابا جی نے جواب دیا کہ وہ اُس شخص کے بدلے سینکڑوں دوسرے لوگوں کو مریدی دینا پسند کریں گے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اُس شخص کے اعمال

اتنے سنگین ہیں کہ ابھی اُس کا مریدی لینے کا وقت نہیں آیا ہے۔ لیکن اُس مُرید نے ضد کی اور بابا جی نے رحم کر کے اُس کی درخواست منظور کر لی۔ اُس شخص کے اعمال اتنے زیادہ تھے کہ مریدی کے وقت بابا جی کو اُس کے کچھ اعمال اپنے جسم پر لینے پڑے۔ اُس کے بعد بابا جی اپنے گھر واپس لوٹ آئے اور کئی ہفتوں تک بہت بیمار رہے، کیونکہ وہ اُس شخص کے اعمال اپنے اُوپر جھیل رہے تھے۔ تب اُس شخص کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اُس کے دوست کو مریدی دینے کے لیے مُرشد کو اُس کے اعمال اپنے اوپر لے کر کتنی زیادہ تکلیف سے گزرنا پڑا۔

عام طور پر مُرشد ہمارے پچھلے اعمال کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے، لیکن جب مُرید اپنے پورے دِل اور رُوح کے ساتھ اُنھیں مدد کے لیے پُکارتا ہے، تو مُرشد اُس کو نظر انداز نہیں کرتے۔ مُرید کے تئیں محبّت و شفقت سے لبریز ہونے کی وجہ سے مُرشد اُس کی مدد کرتے ہیں اور اُس کے اعمال کے بوجھ کو ہلکا کر دیتے ہیں۔ کچھ ایسے مُرید بھی ہوتے ہیں، جو مُرشد سے اعمال کا بوجھ کم کرنے کی درخواست نہیں کرتے، کیونکہ وہ مُرشد سے اتنا عشق کرتے ہیں کہ وہ نہیں چاہتے کہ مُرشد اُن کی وجہ سے کوئی تکلیف برداشت کرے۔ لیکن مُرشد بہت پیار کرنے والے والدین کی طرح، اکثر بغیر درخواست کیے بھی مشکلوں میں ہماری مدد کرتے ہیں۔

مُرشد کے ذریعے ہمارے اعمال کو اپنے اُوپر لینے کی یہ مثالیں بتاتی ہیں کہ ہم مُرشد کو صرف ایک انسان سمجھتے ہیں، ہم مُرشد کے جسم کے ذریعے چل رہی رُوحانی سرگرمی کو نہیں دیکھ پاتے۔ مُرشد کی طاقت ایسے طریقوں سے کام کرتی ہے جن کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ ہزاروں میل دُور بیٹھے مُریدوں تک مدد کیسے پہنچ جاتی ہے؟ الفاظ میں اس کا بیان کرنا اور شعور کی سطح پر اِسے سمجھ پانا بہت مشکل ہے۔ ہم اس مدد کو صرف اتنا ہی سمجھ پاتے ہیں جتنا ہم اپنی باہری آنکھوں اور کانوں کے ذریعے دیکھ وسُن پاتے ہیں، یا جو تھوڑا بہت احساس ہمیں یا ہمارے عزیزوں کو ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ ماورائی مدد ہمیں یا ہمارے کسی عزیز کو ملتی ہے، تو ہمیں اتنا ضرور محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ مدد براہِ راست مُرشد سے ہماری طرف آئی ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عظیم شخصیتیں کوئی معجزہ دِکھانے کے لیے اِس دُنیا میں نہیں آتیں، اُن کا کام اور مقصد ہماری رُوح اور خُدا کا ملن کروانا ہوتا ہے۔ جب ایک مُرشدِ کامل

ہمیں مریدی بخشتے ہیں، تو اُن کی اہم ذمہ داری ہوتی ہے ہماری رُوح کو اُس کے اصلی گھر واپس پہنچا دینا۔ وہ ہماری رُوح کو وہاں تک پہنچانے میں مدد کرتے ہیں، چاہے ہم کوئی بھی ہوں اور کسی بھی تہذیب یا پس منظر سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہم میں سے ہر ایک کی رُوح کو خُدا میں جذب ہونے کے اِس ہدف کو حاصل کرنا ہے۔ عظیم شخصیتیں ہمیں وہ مدد اور رہنمائی فراہم کرتی ہیں جو اس ہدف تک پہنچنے کے لیے ہمیں چاہیے۔

ایک مُرید اپنے مُرشد سے مدد کے لیے درخواست کرتا رہتا ہے۔ اسی لیے سنت درشن سنگھ جی اس شعر میں فرما رہے ہیں، ''مصیبت میں ہمیشہ ہم ترا ہی نام لیتے ہیں۔'' مدد کی یہ پُکار من ہی من درخواست کرنے کی شکل میں ہو سکتی ہے، یا اُنھیں خط لکھ کر، جسے ہم چاہے ڈاک میں ڈالیں یا نہ ڈالیں، یا مُرشد سے آمنے سامنے ملاقات کر کے اور اپنی تکلیف اُنھیں بتا کر یا کسی اور کے ذریعے اُن تک پیغام بھیج کر۔ یہ کچھ طریقے ہیں جن کے ذریعے ہم مُرشد تک اپنی بات پہنچاتے ہیں۔ ہم اُن کو پُکارتے ہیں، اُن کا نام لیتے ہیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اُن کی شفقت اور توجّہ سے ہماری مصیبت ٹل سکتی ہے۔

اگلے مصرع میں سنت درشن سنگھ جی کہہ رہے ہیں، ''ترے بندے نیازِ بندگی سے کام لیتے ہیں۔'' یہاں وہ اُن مُریدوں کی بات کر رہے ہیں جو جانتے ہیں کہ مُرشد ہی اُنھیں خُدا کے پاس واپس پہنچا سکتے ہیں۔ جب تک ہم اپنے وجود کے جسمانی، ذہنی اور جذباتی پہلوؤں سے ہی شناسا رہتے ہیں، تب تک ہم خُدا کو جان نہیں سکتے، کیونکہ ایسا کرنے کے لیے ہمیں رُوحانی شعور کی حالت تک پہنچنا ہوتا ہے۔ ایک سچّا متلاشی جانتا ہے کہ رُوحانی حلقوں میں جانے کے لیے ہمیں مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنے آپ جسمانی شعور سے اُوپر اُٹھ کر رُوحانی حلقوں میں جاتے پاتے، تو اِس وقت ہم چوراسی کے چکر میں پھنسے نہ ہوتے اور کب کے واپس خُدا میں جذب ہو چکے ہوتے۔ لیکن ہم وہاں نہیں ہیں، اسی لیے یہ واضح ہے کہ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہمیں مدد چاہیے، جو ہمیں مُرشد کے ذریعے ملتی ہے۔

اسی لیے شعر میں کہا گیا ہے، ''ترے بندے نیازِ بندگی سے کام لیتے ہیں۔'' جب مُریدوں کو احساس ہوتا ہے کہ جو بھی مدد اُنھیں چاہیے، وہ اُنھیں مُرشد سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، تو وہ مُرشد کی بندگی کرنے لگتے ہیں، مُرشد کے تئیں عشق اور عقیدت مندی سے بھر اُٹھتے ہیں۔

جب وہ مُرشد سے درخواست کرتے ہیں اور اُنھیں مدد ملتی ہے، تب اُنھیں احساس ہوتا ہے کہ دُنیا میں کسی نے بھی اُنھیں ایسی مدد نہیں دی تھی جس سے اُن کی رُوح کا ملاپ خُدا سے ہو جاتا۔ اُنھیں سمجھ میں آ جاتا ہے کہ زندگی میں اب تک اُنھیں جسمانی اور ذہنی حلقوں میں تو کئی استاد اور رہنما ملے ہیں، جنھوں نے اُنھیں جسم اور مَن کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے اور ان کی ترقی میں مدد کی ہے، لیکن کسی نے بھی مُرشد کی طرح اُن کی رُوح کا ملن خُدا سے کروانے میں مدد نہیں کی ہے۔ جب ایک بار یہ احساس مُرید کو ہو جاتا ہے، تو وہ اس رُوحانی مدد کے لیے مُرشد کا شکریہ ادا کرنے لگتے ہیں۔

شعر کے اگلے مصرع میں سنت درشن سنگھ جی فرماتے ہیں، ''تُو ہی منزل، تُو ہی رہبر، تُو ہی ہے عزم رِندانہ۔'' یہی حقیقت میں سنت مسلک کا نچوڑ ہے۔ سنت مسلک کا راستہ ہمیں بار بار یہی سمجھاتا ہے کہ ہماری رُوح، خُدا اور خُدا کے پاس واپس جانے والا راستہ، یعنی ملکوتی نوُر اور سماعت کی لہر، یہ سب ایک ہیں۔ مُرشد کی طاقت بھی اصل میں یہی نوُر اور سماعت کی لہر ہے، جس نے پوری کائنات کی تخلیق کی ہے اور جو تمام مخلوقات کو زندگی دے رہی ہے۔ خُدا، رُوح اور ملکوتی نوُر و سماعت کی لہر سب ایک ہیں۔ یہ سب دقیق ہیں۔ یہ سب نوُر ہیں۔ یہ سب عشق ہیں۔ یہ سب شعور ہیں۔ یہ سب لُطف ہیں۔ یہ سب ایک ہیں۔ ہماری ''منزل'' خُدا ہیں۔ ہمارا ''رہبر'' وہ الٰہی طاقت ہے جو ملکوتی نوُر اور سماعت کی شکل میں جلوہ گر ہے اور جس سے مُرشد ہمیں منسلک کر دیتے ہیں۔ ''عزمِ رِندانہ'' مُرشد کی وہ رُوحانی توجّہ ہے جو ہمیں رُوحانی حلقوں کے سفر پر لے جاتی ہے اور بالآخر خُدا کے پاس واپس پہنچا دیتی ہے۔ اس شعر میں مُرید یہ اقرار کر رہا ہے کہ یہ سب ایک ہیں۔ مُرشد کے ذریعے کام کرنے والی ملکوتی طاقت اپنی توجّہ سے ہمیں وہ مدد فراہم کرتی ہے جو اپنے اصلی گھر واپس جانے کے لیے ہمیں چاہیے۔ مُرشد کے ذریعے کام کرنے والی یہی ملکوتی طاقت خدا کے پاس واپس جانے والے سفر کے دوران لگاتار ہماری رہنمائی بھی کرتی ہے۔ مُرشد کی طاقت اور الٰہی طاقت ایک ہی ہیں اور اُس منزل پر ہمارا خیر مقدم کرنے کو تیار بیٹھے ہیں جہاں پہنچ کر ہماری رُوح کا ملاپ خُدا سے ہو جاتا ہے۔ ہماری رُوح خُدا کا جُز ہے نیز مکمل شکل میں شعور ہے۔ خُدا کے ساتھ ہماری رُوح کے رابطے کا ذریعہ ملکوتی نوُر اور سماعت کی لہر ہی

ہے۔ روشنی اور آواز کی اس لہر پر سوار ہو کر ہم اپنے سر چشمے تک واپس پہنچ سکتے ہیں۔ اگر ہماری سمجھ میں یہ آ جائے کہ ہماری رُوح، خُدا اور خُدا کے پاس واپس جانے والا راستہ، سب ایک ہیں اور ہمیں اُس راستے پر صرف مُرشد کی طاقت لے جا سکتی ہے کیونکہ اپنے آپ ہم اِس کے رابطے میں نہیں آ سکتے، تو سنت مسلک کی پوری راہ واضح اور آسانی سے ہماری سمجھ میں آ جائے گی۔

اس شعر میں مستعمل ''عزمِ رِندانہ'' کا کیا مطلب ہے؟ یہاں اُس کشش کا ذکر ہو رہا ہے جو خُدا کی جانب سے ہماری طرف آ رہی ہے۔ عشق پہلے معشوق اور خُدا کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ سنت درشن سنگھ جی فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں لگتا ہے کہ ہم معشوق سے عشق کرتے ہیں، لیکن اصل میں جب تک معشوق پہلے ہم سے عشق نہ کریں، تب تک ہم اُن سے عشق کرنے کی حالت میں نہیں ہوتے۔ معشوق ہم سے عشق کرتے ہیں، خُدا ہم سے عشق کرتے ہیں، مُرشد ہم سے عشق کرتے ہیں۔ اُس عشق کے ردِّ عمل میں ہم خُدا سے اور اپنے مُرشد سے عشق کرنے لگتے ہیں۔ اسی لیے ہمارے اندر خدا کو جاننے اور پانے کی تڑپ اصل میں خُدا کی جانب سے ہی آتی ہے۔ چونکہ ہم خود خُدا کا احساس نہیں کر سکتے، اسی لیے ہم اُنھیں مُرشد کے ذریعے جان پاتے ہیں، محسوس کر پاتے ہیں۔ کئی لوگ اِس غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں کہ مُرشد جسم ہیں۔ لیکن مُرشد جسم نہیں ہیں، اصلی مُرشد اُس جسم کے ذریعے کام کر رہی رُوحانی طاقت ہوتی ہے، جسے ''مُرشد کی طاقت'' بھی کہا جاتا ہے۔ مُرشد خود خُدا سے منسلک ہو چکے ہیں اور ہمیں بھی ہمارے اندر موجود ماورائی روشنی و سماعت کے رابطے میں لا سکتے ہیں۔ مُرشد کی موجودگی میں ہمیں ملنے والی رُوحانی نمو اُن کے جسم سے نہیں، بلکہ اُن کے اندر کام کر رہی مُرشد کی طاقت کی جانب سے آتی ہے۔ اور یہی مُرشد کی طاقت مصیبت کے وقت ہماری مدد کرتی ہے۔

جب ہم مُرشد سے درخواست کرتے ہیں، تو اصل میں ہم کسی انسان سے درخواست نہیں کر رہے ہوتے ہیں، بلکہ اُن کے اندر موجود خُدا کی ماورائی طاقت سے درخواست کر رہے ہوتے ہیں، جو ہمارے اندر بھی موجود ہے لیکن جسے ہم تب تک نہیں جان پاتے جب تک مراقبہ نہیں کرتے۔ یہی ماورائی مُرشد کی طاقت ہماری مدد کرتی ہے۔ جب ہم

منزل اور رہبر

ایک مُرشدِ کامل سے مریدی حاصل کرتے ہیں، تو یہ اُن کا فرض بن جاتا ہے کہ ہماری رُوح کو خُدا کے پاس واپس پہنچا دیں۔ اُسی فرض کا ایک حصّہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مُرید کے اعمال کو مُرشد اپنے اُوپر لے لیں، تاکہ اُس کی رُوح پر پڑا بوجھ ہلکا ہو جائے اور وہ رُوحانی حلقوں میں اُڑان بھرنے کے لائق ہو جائے۔ چونکہ ہمارے ذریعے پچھلے تمام جنموں میں کیے گئے اچھّے یا بُرے خیالات، بولوں اور کاموں سے ہی ہمارے اعمال کا مکمّل لیکھا جوکھا تیّار ہوتا ہے، اسی لیے اُن کا بھگتان ہمیں کرنا ہی پڑتا ہے۔ چونکہ ہمارے پچھلے اعمال بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اُن میں سے کچھ کا بھگتان حالیہ جنم میں کرنے کے ساتھ ساتھ ہم نئے اعمال بھی بناتے چلے جاتے ہیں، اسی لیے ہمارے اعمال کا اصلی ذخیرہ کبھی ختم نہیں ہوتا ہے۔ اسی لیے ہمارے تئیں رحمت کا برتاؤ رکھنے کی وجہ سے اور ہمارے بوجھ کو کم کرنے کے مقصد سے، مُرشد کی طاقت مریدی کے وقت ہمارے پچھلے سبھی جنموں کے جمع شدہ اعمال کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ جمع شدہ اعمال کے عظیم ذخیرے میں سے جو چھوٹا سا حصّہ ہمیں اس جنم میں بھگتنے کے لیے دیا جاتا ہے، یعنی پچھلے اعمال، اُنھیں مُرشد نہیں چھیڑتے اور وہ ہمیں اپنی زندگی میں کاٹنے پڑتے ہیں۔ اگر مُرشد پچھلے اعمال کا بھی خاتمہ کر دیں تو ہماری زندگی ختم ہو جائے گی اور ہمیں اس دُنیا سے جانا پڑے گا، کیونکہ اس جنم میں بھگتان کرنے کے لیے ہمارا کوئی عمل بچے گا ہی نہیں۔ اسی لیے مُرشد کی طاقت پچھلے اعمال کو ختم نہیں کرتی، کیونکہ اِن کا بھگتان کرنے کی مدّت تک ہی ہم زندہ رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی، ہمیں اُن نئے اعمال کا بھی بھگتان کرنا ہوتا ہے جو ہم اپنے روزمرّہ کی زندگی میں بناتے ہیں۔ اسی لیے مُرشد ہمیں تعلیم دیتے ہیں کہ ہم روزانہ نئے نئے عمل بنا کر اپنی رُوح پر پڑے بوجھ کو اور زیادہ نہ بڑھائیں۔

یہاں سنت درشن سنگھ جی فرما رہے ہیں، ''تُو ہی منزل، تُو ہی رہبر، تُو ہی ہے عزمِ رِندانہ۔'' ''عزمِ رِندانہ'' وہ ماورائی طاقت ہے جو ہمیں اپنی جانب کھینچ رہی ہے۔ وہ ماورائی مُرشد کی طاقت کسی انسانی جسم کے ذریعے سے ہم سے رابطہ کرتی ہے۔ وہ بھی ہمارے جیسا جسم رکھتا ہے — وہ ہم سے بات چیت کرتا ہے، ہمارے ساتھ اِس مادّی دُنیا میں رہتا ہے، ہمارے ساتھ کھاتا پیتا ہے، تاکہ ہم اُس کے ساتھ رابطہ قائم کر سکیں۔ ہمیں رہنما اُس انسانی شکل میں ہی حاصل ہوتا ہے، لیکن اصل میں اُس جسم کے اندر کام کر رہی ملکوتی طاقت اصل مُرشد

ہوتی ہے، جو ہماری رُوح کو ترقی دے کر اندرونی حلقوں میں لے جاتی ہے— مُرشد کا جسم یہ نہیں کرتا۔ ہمارے اندر اپنے اصلی گھر واپس لوٹ جانے کی خواہش مُرشد کی طاقت کے ذریعہ جگائی جاتی ہے۔ اُس انسانی جسم کے اندر کام کر رہی ماورائی طاقت ایک مقناطیس کی طرح ہماری رُوح کو خُدا کی جانب کھینچتی ہے۔ یہ ماورائی طاقت اصل میں خُدا کی طاقت ہے۔ اسی لیے جب ہم مُرشد کی طاقت کی جانب کھنچاؤ محسوس کرتے ہیں، تو وہ اصل میں خُدا کی طاقت کا کھنچاؤ ہوتا ہے۔

مُرشد ہمارے ''رہبر'' اور رہنما بن جاتے ہیں نیز خُدا کو پانے میں ہماری رُوح کی مدد کرتے ہیں۔ ہمیں اِس مدد کی ضرورت کیوں ہے؟ ہمیں مدد کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارا ذہن، جو ہماری رُوح کی باہری شکل ہے، اِس وقت پوری طرح باہری دُنیا میں بکھرا ہوا ہے۔ ہم ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں— اِس وقت باسکٹ بال میں یا شیئر بازار میں کیا ہو رہا ہے یا بازار میں کن چیزوں پر چھوٹ چل رہی ہے— اور اِس طرح ہمارا ذہن لگاتار الگ الگ سمتوں میں جاتا رہتا ہے۔ ہم میں سے کچھ کا ذہن ایک جانب کھنچا چلا جاتا ہے، تو کچھ کا دوسری جانب، تو کچھ لوگ کسی تیسری سمت میں کھنچے چلے جاتے ہیں۔ ایسے میں مُرشد کی طاقت کیا کرتی ہے؟ وہ ہماری توجّہ خُدا کی جانب مرکوز کرتی ہے۔ یہی رہبر کا کام ہوتا ہے۔ اسی لیے اس شعر میں کہا گیا ہے، ''تُو ہی منزل، تُو ہی رہبر، تُو ہی ہے عزمِ رِندانہ۔'' خُدا کا عشق ہی ہمیں خُدا کی جانب کھینچتا ہے۔ مُرشد کی طاقت ہمیں اس سمت میں ضروری رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

یہاں سب سے پہلے کہا گیا ہے، ''تُو ہی منزل۔'' سنت درشن سنگھ جی ہمیں کیا بتانا چاہ رہے ہیں؟ تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جو ہمیں مُرشد کی طاقت کی ہلکی سی جھلک دِکھا دیتی ہیں۔ اس سے متعلق ایک قدیم مثال ہے رانی اِندومتی کی۔ وہ کبیر صاحب کی مُریدہ تھیں۔ جب کبیر صاحب نے اُنھیں رُشد و ہدایت دی اور رانی کو رُوحانی ترقی حاصل ہوئی، تو وہ اندرونی حلقوں کا سفر کرنے لگیں۔ وہ اِس جسمانی حلقے سے اُوپر اُٹھ کر دقیق حلقے میں پہنچیں، دقیق حلقے سے اُوپر اُٹھ کر حلقۂ اسباب میں پہنچیں، حلقۂ اسباب سے اُوپر اُٹھ کر ذاتِ مطلق کے حلقے میں پہنچیں، پھر وہاں سے 'سچ کھنڈ' میں پہنچ گئیں، وہ خالص

رُوحانی حلقہ، جہاں پہنچ کر ہماری رُوح خُدا میں جذب ہوجاتی ہے۔ وہاں پہنچ کر رانی کو اتصالِ الٰہی کا احساس حاصل ہوا۔ جب اُس اندرونی احساس کے بعد وہ جسمانی شعور میں واپس لوٹیں، تو اُنھوں نے کبیر صاحب سے کہا، ''آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ خُدا کے تخت پر آپ ہی تشریف فرما ہیں؟'' کبیر صاحب نے جواب دیا، ''اگر میں تمھیں پہلے بتا دیتا، تو تم کبھی میرا بھروسہ نہیں کرتی۔'' سنت مسلک کی تعلیم ہمیں بتاتی ہے کہ وہ ماورائی طاقت ہی ہماری زندگی، یعنی ہمارا ہدف ہے۔ اِسے شعور کی سطح پر سمجھنا بہت مشکل ہے۔ خُدا ہی وہ ماورائی طاقت ہے جو ہم میں سے ہر ایک کو سنبھال رہی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ خُدا کسی محل میں، کسی تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ خُدا کے تخت پر بیٹھے ہونے کی بات کو ایک مثال کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، تاکہ ہم اِس بات کو بہتر طریقے سے سمجھ سکیں۔ خُدا سب سے عظیم طاقت ہیں، محیطِ کُل ہیں اور کسی ایک جگہ پر، کسی ایک تخت پر بیٹھے ہوئے نہیں ہیں۔ خُدا ہر جگہ موجود ہیں، خُدا جنّت میں یا کسی دوسری جگہ، کسی چھوٹے سے تخت پر نہیں بیٹھے ہوئے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں خُدا بیٹھے ہوئے ہیں اور ہم وہاں جا کر اُن سے مل سکتے ہیں، خُدا ہر جگہ ہیں، ذرّے ذرّے میں موجود ہیں۔ دانشورانہ سطح پر اُسے سمجھنا مشکل ضرور ہے۔ جب سنت درشن سنگھ جی فرما رہے ہیں، ''تُو ہی منزل'' تو اُن کا مطلب ہے خُدا اور رُوحانی ترقی فراہم کرنے والی ماورائی طاقت، یہ دونوں اصل میں ایک ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے اِسے سمجھ پانا مشکل ہے۔ خُدا اور وہ طاقت ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟ ہم مُرشد کو جسم سمجھتے ہیں اور یہ نہیں جان پاتے کہ جسم اصل میں مُرشد نہیں ہے۔ جو ہماری مدد کرتا ہے، وہ خُدا کی ماورائی طاقت ہے، جو اُنھیں سے تخلیق ہوئی ہے اور جس سے ہم مُرشد کے ذریعے منسلک ہو سکتے ہیں۔ وہی طاقت ہماری مدد کرتی ہے اور ہمیں خُدا کے پاس واپس پہنچا دیتی ہے۔ اس طرح مُرشد کی طاقت جسم نہیں ہے، بلکہ اُس جسم کے اندر کام کر رہی خُدا کی ماورائی طاقت ہے۔

اپنی تخلیقات اور مثالوں کے ذریعے مُرشد ہمیں یہ فرق سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ مُرید مُرشد کے جسم کے تئیں عقیدت رکھتے ہیں، جو صحیح نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، مغربی ممالک کی روایات میں زیادہ تر لوگ مُرشد کے قدم چھونا چاہتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں

سمجھ پاتے کہ جو کچھ بھی اُنھیں رُوحانی ترقی کے لیے چاہیے، وہ مُرشد کی آنکھوں سے ملتا ہے۔ یہ مُرشد سے جسمانی نزدیکی نہیں بلکہ اُن کے اندرون سے جاری مُرشد کی طاقت سے ہماری رُوحانی نزدیکی ہے، جو ہماری مدد کرتی ہے اور اِس مدد میں کوئی بھی چیز رُکاوٹ نہیں بن سکتی۔ مثال کے طور پر، مُرشد جب ست سنگ فرماتے ہیں تو ہم ہال یا پنڈال میں سب سے اچھی نشست لینا چاہتے ہیں تاکہ مسند پر بیٹھے مُرشد کا مادّی نظارہ ٹھیک سے کر سکیں۔ اگر ہماری اگلی نشست پر کوئی لمبا شخص بیٹھ جائے تو ہم دُکھی ہو جاتے ہیں۔ ہم سوچنے لگتے ہیں، ''اس شخص کو آگے کی نشست کس نے دی؟'' لیکن اصل میں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ وہ ماورائی طاقت کسی بھی رُکاوٹ کے بغیر ہم تک ضرور پہنچتی ہے، ہم چاہے کہیں بھی بیٹھے ہوں۔ اُسے ہم تک پہنچنے سے کوئی بھی چیز نہیں روک سکتی۔ وہ رُوحانی طاقت جو مُرشد کی آنکھوں سے نشر ہوتی ہے، اصل میں اُن کے پورے جسم سے جاری ہو رہی ہوتی ہے اور اُن ماورائی کرنوں کے راستے میں کوئی بھی مادّی چیز رُکاوٹ نہیں بن سکتی۔ سنت درشن سنگھ جی بتاتے تھے کہ دُور سے حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج کی صرف پگڑی دیکھ کر اُن کے پورے وجود میں لُطف کی لہریں اُٹھنے لگتی تھیں۔ کیوں؟ کیونکہ وہ ماورائی طاقت، مُرشد کے پورے وجود سے جاری ہو رہی ہوتی ہے، جس طرح ایک بلب کے ہر حصّے سے روشنی نکل رہی ہوتی ہے۔ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، خُدا کی وہ ماورائی طاقت ہر لمحہ ہماری مدد کے لیے موجود ہوتی ہے۔

سنت درشن سنگھ جی کہہ رہے ہیں، ''تُو ہی منزل، تُو ہی رہبر، تُو ہی ہے عزمِ رندانہ۔'' وہ سمجھا رہے ہیں کہ خُدا کی ماورائی طاقت ہی ہمیں اپنے ہدف کی جانب کھینچتی ہے، خُدا کی ماورائی طاقت ہی ہماری رہنمائی کرتی ہے اور خُدا کی ماورائی طاقت ہی ہمارا ہدف ہے، جس کے ساتھ ہمیں منسلک ہونا ہے، کیونکہ اِس ماورائی طاقت میں جذب ہونے سے ہم خُدا میں جذب ہو جاتے ہیں۔ مراقبہ کرنے پر جب ہم اندرونی روشنیوں، آسمان، ستارے، چاند اور سورج کو پار کر کے اپنے مُرشد کی نُوری ہیئت تک پہنچ جاتے ہیں، تو وہ نُوری ہیئت ہماری رہبر اور رہنما بن جاتی ہے۔ اندرون میں دِکھائی دینے والی نُور صورت ہمیں اُسی مُرشد کے چہرے اور جسم کی شکل میں نظر آتی ہے، جس نے ہمیں مریدی بخشی تھی۔ روشنی سے لبریز یہ

نوُری ہیئت ہمیں اپنے مُرشد کی شکل میں نظر آتی ہے، کیونکہ ہمارے پاس اُس ماورائی طاقت کو پہچاننے کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ یہی نوُری ہیئت ہمیں پنڈ کے حلقے سے اُوپر اُٹھا کر اَنڈ، برہمانڈ اور پاربرہم کے حلقوں میں لے جاتی ہے اور بالآخر ہمیں سچ کھنڈ پہنچا دیتی ہے، جہاں ہماری رُوح پر چڑھے سارے لباس یا پردے اُتر جاتے ہیں۔ سنت درشن سنگھ جی اِس شعر میں فرما رہے ہیں کہ مُرشد کے ذریعے کام کر رہی مُرشد کی طاقت ہی ہماری رُوح کو خُدا کی جانب کھینچتی ہے۔ یہی الٰہی طاقت اندرون میں ہمارے مُرشد کی نوُری ہیئت اختیار کر کے ہماری رہنمائی کرتی ہے اور یہی الٰہی طاقت ہمارا ہدف ہے، جس میں ہم اپنے اصلی گھر 'سچ کھنڈ' پہنچ کر جذب ہو جاتے ہیں۔ اِسی وجہ سے شاعر کہہ رہا ہے، ''سلام اے پیرِ میخانہ!'' اِسی وجہ سے ہم رُوحانی میخانے کے پیر یعنی اپنے مُرشد کے تئیں احسان مندی اور شکر گزاری کا احساس رکھتے ہیں، کیونکہ مُرشد کی طاقت ہی ہمیں خُدا کے ساتھ منسلک ہونے کے ہدف کو حاصل کرنے میں مددگار بنتی ہے۔

ہزاروں لاکھوں مُریدوں کی زندگی میں ایسے تجربے ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی حالت میں معجزاتی سدھار پایا۔ ایسے کئی معاملے ہیں جب کسی مُرید کے دماغ میں یا جسم کے کسی دوسرے حصّے میں ٹیومر (tumor) پایا گیا، لیکن جب مُرید نے اپنے مُرشد سے مدد کی درخواست کی یا اُن سے اِس بارے میں بات چیت کی یا اُنھیں خط لکھا، تو وہ ٹیومر اچانک غائب ہو گیا اور ڈاکٹر حیران رہ گئے۔ ایسے بھی کئی مُرید ہیں جن کے خطرناک امراض میں اچانک ہی سدھار دیکھا گیا۔ کئی بار کسی مُرید کو بتایا جاتا ہے کہ اُسے اپنی بیماری کے لیے کوئی بڑا آپریشن کروانا ہوگا، لیکن مُرید کی حالت میں اچانک سدھار آنا شروع ہو جاتا ہے اور وہ ایک چھوٹے سے آپریشن سے ٹھیک ہو جاتا ہے یا اُسے کوئی بھی آپریشن نہیں کروانا پڑتا۔ ہمارے تئیں شفقت سے لبریز ہونے کی وجہ سے مُرشد ہمارے اعمال کا بوجھ اپنے اُوپر لے لیتے ہیں، یہاں تک کہا جاتا ہے کہ وہ پہاڑ کی چوٹی سے گرنے کے درد کو سوئی چبھونے کے درد میں بدل دیتے ہیں۔ مُرشد اتنے رحم دِل ہوتے ہیں کہ وہ ہماری تکلیف کو بہت کم کر دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں سنت کرپال سنگھ جی کی زندگی سے جُڑا ایک واقعہ ہے، جب وہ حضور

منزلِ محبُوب

بابا ساون سنگھ جی کے مُرید تھے۔ اُن کے بیٹے سنت درشن سنگھ جی بچپن میں ایک بار بہت بیمار پڑ گئے تھے۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا کہ وہ تین دِن سے زیادہ زندہ نہیں رہیں گے۔ ڈاکٹروں نے سنت کرپال سنگھ جی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ دفتر سے چھٹی لے کر اپنے بیٹے کے ساتھ وقت گزاریں۔ سنت کرپال سنگھ جی نے دفتر سے چھٹی لے لی، تاکہ اپنے بچّے کے پاس رہ سکیں۔ لیکن اُن تین دِنوں میں سے ایک دن اتوار کا تھا، جب اُنھیں ست سنگ کی خدمت کرنی ہوتی تھی۔ سنت کرپال سنگھ جی اُلجھن میں پڑ گئے۔ کیا اُنھیں ڈاکٹروں کی بات مان کر اپنے بیٹے کے پاس ہی بیٹھنا چاہیے یا اُنھیں ست سنگ کرنے جانا چاہیے جو اُن کی ذمہ داری تھی؟ آخرکار سنت کرپال سنگھ جی نے خود سے یہ کہہ کر فیصلہ کرلیا، ''یہ بچّہ اصل میں کس کا ہے؟ ہم سبھی مُرشد کی گود میں ہیں۔ زندگی اور موت پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے، یہ سب اُن کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے وہ ذمہ داری پوری کرنی چاہیے جو مُرشد نے مجھے سونپی ہے۔''

اور سنت کرپال سنگھ جی ست سنگ کرنے چلے گئے۔ جب تک ست سنگ ختم نہیں ہوا، دوپہر ہو چکی تھی اور حضور کی رہائش اُس جگہ سے لگ بھگ بیس میل دُور تھی۔ سنت کرپال سنگھ جی کے دِل میں آیا، ''کیوں نہ گھر واپس جانے سے پہلے حضور کے دیدار کے لیے جائیں؟'' سنت کرپال سنگھ جی جانتے تھے کہ ایک سچّے مُرید کے دِل میں اپنے مُرشد کے دیدار کی خواہش بنی رہتی ہے۔ اسی لیے اُنھوں نے وہاں سے ٹرین پکڑی اور دو بجے تک حضور کے ڈیرے پہنچ گئے۔ حالانکہ اُنھوں نے حضور کو اپنے آنے کی کوئی خبر نہیں بھیجی تھی، پھر بھی حضور نے ایک آدمی کو نیچے بھیجا ہوا تھا تاکہ وہ سنت کرپال سنگھ جی کو اُوپر حضور کے حجرے تک لے آئیں۔ حضور اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، لیکن جیسے ہی سنت کرپال سنگھ جی حجرے میں داخل ہوئے، وہ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ سنت کرپال سنگھ جی نے ابھی کچھ کہا نہیں تھا کہ حضور بول پڑے، ''تمھارے بیٹے کی طبیعت کیسی ہے؟'' سنت کرپال سنگھ جی نے اُنھیں بتایا کہ اُس کی طبیعت بہت خراب ہے۔ اُنھوں نے حضور کو بتایا کہ ڈاکٹروں نے اُنھیں اپنے بیٹے کے سامنے رہنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن وہ اُلجھن میں پڑ گئے تھے کہ اپنے بیٹے کے پاس رہیں یا ست سنگ کرنے جائیں، اور بالآخر وہ ست سنگ کرنے چلے گئے تھے۔ سنت کرپال سنگھ جی نے آگے کہا، ''زندگی اور مَوت مُرشد کے ہاتھوں میں ہے۔'' اُنھوں نے بتایا کہ

ست سنگ کرنے کے بعد وہ گھر واپس جانے کے بجائے حضور کا دیدار کرنے چلے آئے۔ یہ سب سن کر حضور ایک دَم خاموش ہوگئے اور اُداسی کے عالم میں اپنا سر ہاتھوں میں پکڑ کر بیٹھ گئے۔ سنت کرپال سنگھ جی نے حضور سے پوچھا کہ وہ اُداس کیوں ہیں اور کہا، ''جو کوئی بھی ایک لمحہ کے لیے آپ کو یاد کرتا ہے، وہ اپنی تمام فکروں سے نجات حاصل کر لیتا ہے، لیکن آپ خود اُداس بیٹھے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے؟'' حضور نے جواب دیا، ''کرپال سنگھ، تم نے اپنا سارا بوجھ مجھ پر ڈال دیا ہے۔ تم نے اپنے سر سے سارا بوجھ اُتار دیا ہے، اب مجھے یہ بوجھ اپنے اُوپر لینا ہوگا۔'' جب سنت کرپال سنگھ جی اپنے گھر واپس آئے، تو اُنھوں نے پایا کہ سنت درشن سنگھ جی کی طبیعت میں سدھار ہے۔ اُن کی حالت بگڑی نہیں تھی جیسا کہ ڈاکٹروں نے کہا تھا اور کچھ ہی دِنوں میں وہ بالکل تندرست ہوگئے۔ یہ ایک مثال ہے کہ کس طرح مُرشد ہمارے اعمال اپنے اُوپر لے کر ہماری تکلیف کو کم کر دیتے ہیں۔

حالانکہ ایسے معجزاتی واقعات مُریدوں کی زندگی میں ہوتے رہتے ہیں، لیکن اِنھیں معجزہ نہیں مانا جاسکتا۔ معجزہ اصل میں وہ واقعہ ہوتا ہے جس کا واقع ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن جو مُرشد کرتے ہیں، اُسے معجزہ نہیں کہا جاسکتا۔ اُن کے کام فطرت کے اُن قوانین کے تحت ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہے۔ اعمال کا بھگتان کرنا ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے مُرشد ہمیں تکلیف پہنچا رہے اعمال کو ختم نہیں کرتے، وہ اُن اعمال کو اپنے جسم کے اُوپر لے کر کاٹ دیتے ہیں۔

آج کے دور میں 'ہیلنگ' یا معجزاتی علاج کے میدان میں لوگوں کی دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ کئی لوگ اپنے مرض کا معجزاتی علاج کروانا چاہتے ہیں یا خود ایسا علاج کرنے کی طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جس معجزاتی طاقت کی وہ بات کر رہے ہوتے ہیں، وہ نچلے درجے کی کرامت میں شامل ہوتی ہے۔ اِس میں رُوحانی طاقت کا استعمال کر کے معجزہ کیا جاتا ہے۔ مُرشدِ کامل اور اُن کے مُرید اس طرح کی سطحی کرامتوں کا استعمال نہیں کرتے۔ مُرشد ہمیں سکھاتے ہیں کہ ہم اپنی توانائی کا استعمال سب سے اعلیٰ ہدف یعنی اتصالِ الٰہی کے حصول کے لیے کریں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ہم سطحی کرامتوں میں پڑ کر اپنا وقت اور توانائی ضائع کریں۔ ایک کہانی اسے بخوبی سمجھاتی ہے۔ ایک بار ایک شخص ایک سنت کے پاس

بیٹھا ہوا تھا۔ اُس شخص نے اپنے گلاس سے زندہ مچھلی نکال کر دِکھائی۔ جواب میں سنت جی نے جلتی ہوئی انگیٹھی میں ہاتھ ڈال کر زندہ مچھلی نکال کر معجزہ دِکھایا۔ پھر اُس شخص نے سنت جی کو چیلنج دیا کہ وہ دونوں ایک ساتھ آگ میں کودیں اور دیکھیں کہ کون زندہ باہر آتا ہے۔ اس پر، بالآخر، سنت جی اُسے ڈانٹا اور بولے، ''معجزہ کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اِس کے بجائے آؤ ہم دونوں ماورائی سمندر میں چھلانگ لگائیں اور ملکوتیت کا لباس پہن کر باہر نکلیں۔'' وہ شخص خاموش ہوگیا اور اُس نے پھر کبھی معجزہ دِکھانے کی کوشش نہیں کی۔

مُرشد ہمیں سمجھاتے ہیں کہ ہم اپنی توانائی کا استعمال خُدا کے حصول کے لیے کریں اور سطحی طاقتوں، کرامتوں، علاج وغیرہ کے چکر میں نہ پڑیں۔ جب ہماری رُوحانی ترقی ہوجاتی ہے، تو ضمنی پیداوار کی شکل میں یہ سب طاقتیں ہمارے لیے دستیاب ہوجاتی ہیں، لیکن مُرشد ہمیں یہی مشورہ دیتے ہیں کہ ہم اِن کا استعمال نہ کریں۔ مُرشد خود بھی ان سطحی طاقتوں کا استعمال نہیں کرتے۔ اُن کے ذریعے کیے گئے جن کاموں کو ہم معجزہ سمجھتے ہیں، وہ اصل میں اُن کی شفقتِ عالیہ کا نتیجہ ہوتے ہیں جس کے چلتے وہ اپنے مُریدوں کے اعمال کو اپنے اُوپر لے لیتے ہیں۔ ایسا وہ کوئی معجزہ دِکھانے کے لیے نہیں کرتے، ہمارے تئیں اُن کے گہرے عشق کی نتیجے میں یہ چیزیں اپنے آپ ہوجایا کرتی ہیں۔ مُرشد کی شفقتِ عالیہ کی وجہ سے ہمارے اعمال میں یہ تبدیلی اپنے آپ آجاتی ہے۔ ہماری تکلیف کو دیکھ کر مُرشد کے اندر رحم پیدا ہوتا ہے اور چونکہ وہ الٰہی طاقت کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں، خُدا فوراً ہماری مدد کردیتے ہیں۔ مُرشد کے خُدا میں جذب ہونے کی وجہ سے اُن دونوں میں عاشق اور معشوق کا فرق ختم ہوجاتا ہے، مُرشد معشوق بن جاتے ہیں اور خُدا اُن کا عاشق۔ بالآخر خُدا اُن کی دُعا کو ٹھکرا نہیں پاتے۔

لہٰذا شاعر رُوحانی میخانے کے ساقی کی تعریف کررہا ہے۔ شاعر اُس ناقابلِ بیان شفقت کا احساس کرتا ہے جو مُرشد سے مُرید کی جانب آرہی ہوتی ہے۔ یہ ماورائی شفقت مصیبت کے وقت بھی ہماری مدد کرتی ہے۔ یاد رہے کہ یہاں مُرشد کے جسم کی بات نہیں ہورہی ہے۔ یہاں اُس ماورائی مُرشد کی طاقت کی بات ہورہی ہے جو مُرشد کے جسم کے ذریعے کام کرتی ہے۔ یہی مُرشد کی طاقت ہماری منزل ہے، وہی رہبر ہے اور وہی عزمِ

رِندانہ ہے۔

اپنے آپ لاتعداد جنموں سے ہم خُدا کو نہیں پا سکتے ہیں۔ یہ ایک مُرشدِ کامل کی لامحدود مہربانی ہے، جو ہمیں خُدا تک واپس جانے کا راستہ دِکھاتی ہے۔ مُرشد ہمیں مراقبہ کے طریقے سکھا کر اندرونی روشنی وسماعت کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں، جو ہمیں خُدا کے پاس پہنچا دیتی ہے۔ مُرشد کی مدد کے بغیر ہم زندگی اور موت کے چکر میں گھومتے رہیں گے اور کبھی اپنے اصل سرچشمے، خُدا تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ اسی لیے سنت درشن سنگھ جی رُوحانی میخانے کے ساقی کو سلام کر رہے ہیں۔

باب—9

شوقِ دید

ہٹا دے چہرۂ انور سے غَیبت کی نقاب اِک دن
ملے پیاسی نظر کو تیرے جلووں کی شراب اِک دن
کہ شوقِ دید سے درشن ہُوا جاتا ہے دیوانہ
سلام اے پیرِ میخانہ!
سلام اے پیرِ میخانہ!

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

ایک سچّے مُرید کے لیے، کسی ناقابلِ برداشت درد کے ٹھیک ہونے سے بھی بڑا ایک معجزہ ہوتا ہے۔ اُس کے لیے سب سے بڑا معجزہ تب ہوتا ہے جب مُرشد اپنے تمام پردے اُتار کر مُرید کے سامنے اپنی کامل نوُرانی شان میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہی ہر ایک سچّے مُرید کی خواہش اور درخواست ہوتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مُرشد کی نوُری شکل کا دیدار کر کے جو ناقابلِ بیان خوشی اُسے ملے گی، وہ اِس مادّی دُنیا میں محسوس کی گئی کسی بھی خوشی سے بہت زیادہ ہوگی۔ جہاں ایک طرف مُرید باہری مصیبتوں میں مدد کے لیے مُرشد سے گزارش کرتا ہے، وہیں دوسری طرف وہ جانتا ہے کہ سب سے بڑا معجزہ ہے اندرون میں رُوحانی احساس حاصل کرنا، مُرشد کی نوُری شکل کا دیدار کرنا اور اپنی رُوح کا مِلن خُدا سے کروانا۔

اِس شعر میں سنت درشن سنگھ جی ایک ایسی مثال استعمال کر رہے ہیں جو اُن کے زمانے میں مستعمل تھی۔ کچھ تہذیبوں میں عورتیں اپنے چہرے کو ڈھکنے کے لیے نقاب یا پردے کا

استعمال کرتی تھیں اور اُس نقاب کو صرف اُن کے شوہر ہٹا سکتے تھے، جب وہ دونوں اکیلے ہوں۔ اگر کوئی اور مرد نقاب کے پیچھے چھُپی عورت کا چہرہ دیکھ لیتا تھا، تو اُسے گناہ سمجھا جاتا تھا۔ قدیم ہندوستان میں یہ روایت عام تھی۔ سنت درشن سنگھ جی اِس مثال کا استعمال کر کے ہمیں مُرشد کی طاقت کے بارے میں سمجھا رہے ہیں۔ جب وہ فرما رہے ہیں، ''ہٹا دے چہرۂ انور سے غَیبت کی نقاب اِک دِن'' تو وہ ایک استعارہ استعمال کر رہے ہیں کہ مُرشد کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی ہے۔ یہ نقاب کون سی ہے؟ وہ نقاب کو اپنی شاعری میں ایک استعارہ کی طرح استعمال کر رہے ہیں۔ یہاں نقاب مُرشد کے جسم کو کہا گیا ہے، جس کے پیچھے اُن کی اصل رُوحانی طاقت پوشیدہ ہے، وہ ماورائی طاقت چھُپی ہوئی ہے جو اُن کے جسم کے ذریعے کام کرتی ہے۔ وہ سمجھا رہے ہیں کہ جب ہم مُرشد کے جسم کو دیکھتے ہیں، تو ہم مُرشد کی طاقت کو نہیں دیکھ پاتے کیونکہ وہ دقیق ہے۔ اِس شعر میں وہ کہہ رہے ہیں، ''مجھے اپنی اصلی شکل کا دیدار کرنے دیجیے۔'' مجھے اپنے آپ کو جسم کی صورت میں نہیں بلکہ مُرشد کی طاقت کی صورت میں محسوس کرنے دیجیے، کیونکہ جس جسم کو میں دیکھ رہا ہوں، وہ آپ کی اصلی رُوحانی صورت کو چھُپانے والی ایک نقاب ہے۔ مُرشد اصل میں جسم نہیں ہے، بلکہ اُس جسم کے ذریعے کام کر رہی ماورائی طاقت ہے۔ یہاں وہ عاجزی سے گزارش کر رہے ہیں، ''برائے مہربانی مجھ پر شفقت کیجیے اور مجھے اپنی نُورانی صورت کا دیدار کرنے دیجیے۔'' جس طرح قدیم کہانی کے مطابق، جب رانی اِندومتی نے اندرون میں کبیر صاحب کی اعلیٰ نُوری ہیئت کے دیدار کیے، تب اُنھیں سمجھ میں آیا کہ مُرشد اصل میں کون ہیں — وہ جسم نہیں، بلکہ اُس جسم کے ذریعے کام کرنے والی ماورائی طاقت ہیں — اُسی طرح اِس شعر میں بھی یہی گزارش کی جا رہی ہے۔ شاعر کہہ رہا ہے کہ آپ کا چہرہ ملکوتی حسن سے بھرپور ہے، لیکن آپ کے اس اصلی چہرے کے آگے پردہ پڑا ہوا ہے اور میں صرف آپ نے مادّی چہرے کو دیکھ پا رہا ہوں۔ سنت درشن سنگھ جی اِس شعر میں مُرشد سے گزارش کر رہے ہیں کہ وہ برائے مہربانی اس نقاب کو ہٹا دیں تاکہ متلاشی اُن کی اصلی صورت دیکھ سکے، اندرون میں اُن کی نُوری ہیئت کا دیدار کر سکے اور بالآخر اعلیٰ ترین رُوحانی حلقے میں پہنچ کر اُن کے حقیقی، شاندار اصلی صورت کا دیدار کر سکے — وہ غیر جسم حالت، جہاں ہم حق کو اُسی شکل میں

محسوس کرتے ہیں جیسا کہ وہ ہے۔

سنت درشن سنگھ جی کی شاعری اتنی گہری ہے کہ ایک لفظ یا استعارہ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ اِس شعر میں مستعمل پردہ کا ایک دوسرا معنی ہے، ظلمت کا پردہ، جو ہمیں شروع میں مراقبہ کرنے پر اندرون میں دِکھائی دیتا ہے۔ شاعر یہاں مُرشد سے کہہ رہا ہے کہ وہ اس پردے کو ہٹا دیں، تا کہ وہ مُرشد کی اندرونی نوُری ہیئت کو اُن کی پوری عظمت میں دیکھ سکے۔ اپنی جسمانی آنکھوں سے ہم صرف مُرشد کی جسمانی صورت دیکھ سکتے ہیں۔ ہم اُن کی جسمانی موجودگی میں سکون، لُطف اور رُوحانی ترقی کا احساس کرتے ہیں۔ لیکن مُرشد کی اندرونی نوُرانی ہیئت اُس سے بھی زیادہ لُطف اور مستی فراہم کرتی ہے۔ مُرشد کی نوُری ہیئت اصل میں وہ صورت ہے جو خُدا کی طاقت ہمارے اندرون میں اختیار کرتی ہے، تا کہ ہم اُسے پہچان سکیں اور اُس کے ساتھ اندرنی سفر پر جا سکیں۔ موجودہ حالت میں ہم ہر ایک کو اُس کے چہرے اور جسم سے پہچانتے ہیں۔ جب تک ہم اپنی اندرونی آنکھوں سے دیکھنا اور اندرونی کانوں سے سُننا شروع نہیں کر دیتے، تب تک ہم کسی کو بھی رُوحانی سطح پر پہچاننے کی حالت میں نہیں ہوتے۔ اسی لیے مُرشد کی طاقت اندرون میں ہمارے سامنے آتے وقت وہ صورت اختیار کرتی ہے جسے ہم پہچان سکتے ہیں۔ تب ہم جان جاتے ہیں کہ ہمارے مُرشد ہی ہماری رہنمائی کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم اعلیٰ ترین حلقوں میں پہنچ جاتے ہیں تو جسم غیر جسم میں سما جاتی ہے۔ اعلیٰ رُوحانی حلقوں میں خُدا کی کوئی شکل، کوئی مجسمہ نہیں ہے۔ اِس وقت شعوری سطح پر زندگی گزارتے ہوئے ہم اِسے نہیں سمجھ سکتے۔ نچلے حلقوں میں ہم باہر مُرشد کی جسمانی صورت کو پہچانتے ہیں اور اندرون میں اُن کی نوُرانی ہیئت کو، جو دیکھنے میں ہمارے مُرشد کی ہی شکل رکھتا ہے لیکن اُن کی جسمانی صورت سے کہیں زیادہ خوبصورت اور روشن ہوتا ہے۔ اندرون میں اُس نوُری ہیئت کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ہم بالآخر اُس حالت تک پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ جسم غیر جسم میں جذب ہو کر اعلیٰ ترین مکمّل نوُر بن جاتا ہے۔

شعر کے اگلے مصرع میں سنت درشن سنگھ جی فرما رہے ہیں، ''ملے پیاسی نظر کو ترے جلوؤں کی شراب اِک دن۔'' وہ اُس رُوحانی پیاس کی بات کر رہے ہیں جو ہماری

رُوح میں ہونی چاہیے۔

اس سلسلے میں ایک نوجوان کی کہانی بیان کی جاتی ہے، جو مراقبہ کے دوران اندرون میں مُرشد کا دیدار کرنا چاہتا تھا۔ وہ مراقبہ کے ذریعے اندرون میں مُرشد کی نوُری ہیئت تک پہنچنے کی کوشش کرتا تھا، لیکن وہاں تک پہنچ نہیں پا رہا تھا۔ بہت کوشش کرنے پر بھی اُسے کامیابی نہیں مل رہی تھی۔ اُس نے مدد حاصل کرنے کا تہیہ کیا۔ وہ ایک ایسے شخص کے پاس گیا جو کافی دِنوں سے کامیابی کے ساتھ مراقبہ کرتا آ رہا تھا۔ نوجوان نے اُس شخص سے کہا، ''میں کافی دِنوں مراقبہ کر رہا ہوں، لیکن مجھے اندرون میں مُرشد کی نوُری ہیئت کا دیدار نہیں ہو رہا۔ میں کیا کروں؟'' اُس شخص نے نوجوان کو ایک عجیب مشورہ دی۔ اُس نے کہا، ''میں چاہتا ہوں کہ تم یہ طریقہ آزماؤ۔ جمعہ کی شب اپنے کھانے میں نمک زیادہ لینا اور اُسے کھانے کے بعد پانی مت پینا۔ اپنا مراقبہ پورا کرنا اور پھر سو جانا۔ ایسا کرو اور دیکھو، کیا ہوتا ہے۔''

نوجوان نے سوچا، ''یہ تو بہت عجیب مشورہ ہے۔ یہ شخص کہہ رہا ہے کہ میں نمک زیادہ کھاؤں۔ خیر، یہ کافی عرصے سے مراقبہ کر رہا ہوں اور اِسے کامیابی بھی ملی ہے، تو اِسے ضرور پتہ ہوگا کہ کیا کرنا چاہیے۔''

جمعہ کی شب نوجوان نے زیادہ نمک والا کھانا کھایا اور پانی نہیں پیا۔ پھر اُس نے مراقبہ کیا اور بعد میں سو گیا۔ چونکہ اُسے بے حد پیاس لگی تھی، ساری رات اُسے پانی کے خواب آتے رہے۔

اگلے دِن اُٹھتے ہی وہ اپنے صلاح کار کے پاس گیا اور بولا، ''میں نے ویسا ہی کیا جیسا آپ نے کہا تھا، لیکن مجھے اندرون میں مُرشد کہ دادار نہیں ہوئے۔ چونکہ مجھے بے حد پیاس لگی تھی، ساری رات میں پانی کے بارے میں سوچتا رہا اور مجھے پانی کے خواب آتے رہے۔ میں اتنا پیاسا ہوں، جیسے میرے اندر آگ لگی ہوئی ہو۔''

اُس کے صلاح کار نے کہا، ''زیادہ نمک والا کھانا کھا کر تمھیں اتنی پیاس لگی کہ ساری رات تمھیں خواب بھی پانی کے آتے رہے۔ اگر تمھیں اندرون میں مُرشد کے دیدار کی بھی اتنی پیاس لگ جائے اور تم ہر وقت اُنہیں کے بارے میں سوچتے رہو جیسے تم رات بھر پانی کے بارے میں سوچتے رہے، تو تمھیں اندرون میں مُرشد کی نوُری ہیئت کے دیدار ضرور ہوں گے۔''

منزلِ محبُوب

یہ کہانی ہمیں سمجھاتی ہے کہ خُدا کے حصول کے لیے ہمارے اندر کتنی تڑپ اور لگن ہونی چاہیے۔ مراقبہ کوئی مشینی عمل نہیں ہے۔ ہمارا مراقبہ خُدا کو پانے کی تابناک خواہش سے بھرپور ہونا چاہیے، تاکہ ہمارے رُوحانی حلقوں میں اُڑان بھر سکے۔

سنت درشن سنگھ جی اس شعر میں مُرشد سے کہہ رہے ہیں کہ میری نظروں کی، یعنی میری رُوح کی پیاس بجھا دیجیے۔ وہ کہہ رہے ہیں، ''میں آپ کو جاننے کا پیاسا ہوں۔ میں آپ کو پانے کا پیاسا ہوں۔ مجھے وہ پیاس لگی ہے جو صرف آپ بجھا سکتے ہیں۔ کاش میری پیاسی آنکھوں کو آپ کی نوُرانی نظروں کی مست شراب مل جائے۔'' شعر کے الفاظ بے حد خوبصورت ہیں۔ شاعر اپنے مُرشد سے درخواست کر رہا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مُرشد کی نوُرانی نظر ہمیں عشقِ الٰہی کی مستی سے لبریز کر کے اوپر لے جاتی ہے، تاکہ ہم خُدا کو پانے کے اندرونی سفر پر جا سکیں۔ اسی لیے شعر میں ''تیرے لفظوں کی شراب'' کا استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ مُرشد کی نظریں اُس ماورائی نوُر سے لبریز ہوتی ہیں، جو ہماری رُوح کو خُدا میں جذب کروا دیتا ہے۔ شاعر کہہ رہا ہے کہ مُرشد خدا کے ساتھ مدغم ہیں، اسی لیے اُن کی نظروں سے ملنے والی ماورائی شراب کے لیے مُرید پیاسا ہے، تاکہ وہ بھی خُدا میں جذب ہو سکے۔

سنت درشن سنگھ جی اکثر خوبصورتی کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ وہ ماورائی نمو مُرشد کی آنکھوں سے مُرید کی آنکھوں تک، مُرشد کے دِل سے مُرید کے دِل تک اور مُرشد کی رُوح سے مُرید کی رُوح تک پہنچتی ہے۔ شاعر کو وہ نظر چاہیے جو اُسے رُوحانی مستی سے اتنا شرابور کر دے کہ وہ جسمانی شعور سے اوپر اُٹھ کر رُوحانی شعور کے عالم میں پہنچ جائے، نیز اندرونی سفر پورا کر کے خُدا میں جذب ہو جائے۔ شاعر اسی ماورائی رابطے کے لیے دعا کر رہا ہے، وہ وہی رشتہ چاہتا ہے جو ہمیشہ کے لیے قائم رہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ ایسی نگاہ کے علاوہ سب کچھ عارضی ہے، آتا جاتا رہتا ہے، جیسے رات میں گزر جانے والے سمندری جہاز۔ اسی لیے وہ کہہ رہا ہے کہ میری آنکھیں پیاسی ہیں، برائے مہربانی مجھے اپنی نوُرانی آنکھوں سے چھلکنے والی ماورائی مئے پلا دیجیے۔ سنت کرپال سنگھ جی فرمایا کرتے تھے کہ رُوحانیت کا دو تہائی حصّہ مُرشد کی آنکھوں سے ملتا ہے۔ صرف ایک تہائی حصّہ اقوال کے ذریعے ملتا ہے، جو ہم ٹیپ میں سنتے ہیں یا کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ اسی لیے سنت مسلک میں مُرشد

کے سامنے ہونے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اُن کی جسمانی موجودگی میں ہم نہ صرف اُن کے اقوال کو سنتے ہیں، بلکہ اُن سے نکلنے والی رُوحانی کرنوں سے بھی مستفیض ہوتے ہیں، جو ہماری رُوح پر پڑی جنموں جنموں کی مَن، مایا اور شک کی میل کو دھو ڈالتی ہے۔ ہوسکتا ہے ہم نے اپنی زندگی میں لاکھوں لوگوں کو ایسے کامل مُرشدوں کے پاس آتے ہوئے دیکھا ہو، جو اسی لیے آتے ہیں تاکہ وہ مُرشد کا دیدار کرسکیں اور اُس حالت میں پہنچ جائیں جہاں اُن کی رُوح پر پڑے تمام پردے اُتر جائیں۔ یہاں سنت درشن سنگھ جی اس شعر میں کہہ رہے ہیں، ''میں خُدا کو پانے کے لیے تڑپ رہا ہوں، اسی لیے مہربانی کرکے مجھے اپنی رُوحانی توجہ بخشئے تاکہ میری پیاس بجھ سکے۔''

شعر کے اگلے مصرع میں وہ کہہ رہے ہیں، ''کہ شوقِ دید سے درشؔن ہُوا جاتا ہے دیوانہ۔''

ایک سچّا مُرید صرف مُرشد کا دیدار کرنا چاہتا ہے، اُن کی نوُرانی نظر پانا چاہتا ہے، باہر اُن کی جسمانی ہیئت سے بھی اور اندرون میں اُن کی نوُرانی ہیئت سے بھی۔ ہم مراقبہ کے دوران اندرون میں مُرشد کی نوُری ہیئت تک پہنچنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہی نوُری ہیئت پھر ہماری رہنمائی کرکے ہمیں خُدا کے پاس واپس پہنچا دیتی ہے۔ ایک سچّے مرید کی یہی خواہش ہوتی ہے۔ یہ اندرونی احساس ہمیں اتصالِ الٰہی کے ہدف تک پہنچنے کے لیے راغب کرتا ہے۔

تکلیفیں زندگی میں آتی رہتی ہیں۔ کبھی ہمیں تجارت میں خسارہ ہوجاتا ہے، کبھی ہمارے سامنے کوئی اور اقتصادی مسئلہ درپیش ہوجاتا ہے، کبھی ہمیں کوئی مرض لاحق ہوجاتا ہے، تو کبھی ہمارے رشتے داروں میں آپسی ناراضگی پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ سبھی تکلیفیں زندگی کا حصّہ ہیں۔ جو لوگ صرف ان مسائل کی طرف دھیان دیتے رہتے ہیں، وہ حصولِ خدا کے اپنے ہدف تک نہیں پہنچ پاتے، کیونکہ اِس بِنا وہ پوری یکسُوئی کے ساتھ اور صحیح طریقے سے اندرون میں مراقبہ نہیں کرپاتے۔ اِس کے برعکس جو مُرید اپنا ذہن باہری مسائل کی طرف لگانے کے بجائے مراقبہ کی میں لگاتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کررہے ہیں کیونکہ مراقبہ کرکے ہی وہ اپنے مُرشد کی نوُرانی ہیئت تک پہنچ پائیں گے۔ ایسے مُرید جانتے ہیں کہ اگر ہم اپنے وقت، ذہن اور یکسُوئی کا استعمال مُرشد کی نوُری ہیئت تک پہنچنے کے لیے کریں گے، تو وہ ہیئت رُوحانیت کے حلقوں میں ہماری رہنمائی کرتی

ہوئی ہماری رُوح کا ملن خُدا سے کروا دے گی۔

جب ہم کسی سنگت یا رُوحانی پروگرام میں جاتے ہیں، تو مُرشد سے نکلنے والی عشق و رُوشنی کی لہر ہمیں مادّیت سے اُوپر اُٹھا کر ماورائیت کی طرف لے جاتی ہے۔ مریدی کے ذریعے اندرونی روشنی وسماعت کے ساتھ منسلک ہو جانے سے اور روزانہ باقاعدگی سے مراقبہ کرنے سے ہم خُدا میں ضم ہونے کے اپنے رُوحانی مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اپنے ذہن کو خُدا کی طرف لگانے سے، روزانہ وقت نکال کر مراقبہ کرنے سے اور صحیح کوشش کرنے سے ہم پر خُدا کی مہربانی ضرور ہوگی۔ سنت درشن سنگھ جی فرماتے تھے کہ یہ راستہ، کوشش اور مہربانی کا راستہ ہے۔ خدا کی مہربانی سے ہی ہم اِس راستے پر آتے ہیں۔ پھر جب ہم اپنی طرف سے اِس میدان میں کوشش کرتے ہیں— روزانہ مراقبہ کرتے ہیں، اپنے خیالات، اقوال اور اعمال کا لیکھا جوکھا اپنا جائزہ لینے والی ڈائری میں درج کرتے ہیں، تا کہ ہم اوصافِ حمیدہ کو اپنی زندگی میں اپنا سکیں، بے غرض خدمت کرتے ہیں اور باقاعدگی سے ست سنگ میں جاتے ہیں—تو خُدا ہم پر اور بھی مہربانی کرتے ہیں۔ اس مہربانی سے ہم حوصلہ پاتے ہیں اور مزید کوشش کرنے لگتے ہیں۔ جب ہم زیادہ کوشش کرتے ہیں، تو ہمیں اور زیادہ شفقت ملتی ہے اور اِس طرح کوشش وشفقت کے یہ اثرات بڑھتے بڑھتے دائرہ کو پورا کر دیتے ہیں اور ہم اپنے رُوحانی ہدف تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ خُدا اور مُرشدِ کامل کی مہربانی سے ہی ممکن ہوتا ہے کہ روزمرّہ کی زندگی گزارتے ہوئے ہمارا ذہن رُوحانیت کی طرف لگ جاتا ہے۔ اُن کی رہنمائی سے ہم اسی زندگی میں اپنے ہدف تک پہنچ کر خدا میں ضم ہو جاتے ہیں۔

جب ہم ایک بار مُرشد کی نظروں سے ملنے والی نوُرانی مستی کا احساس کر لیتے ہیں، چاہے ایسا ست سنگ میں ہو یا کسی دوسرے رُوحانی پروگرام میں ہو، یا کسی ایسی جگہ ہو جہاں مُرشد موجود ہوں، تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اُن کی نوُرانی نظر سے ملنے والا لطفِ عالیہ اِس دُنیا کی کسی بھی خوشی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ پھر ہم بار بار اُس لطفِ عالیہ کا احساس کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کی نظرِ کرم پانے کی خواہش اور تڑپ لگاتار ہمارے اندر بنی رہتی ہے۔ لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ باہری دیدار سے ملنے والی خوشی، اندرونی دیدار سے ملنے والے لامحدود لُطف

کا صرف ایک عکس ہے۔ اسی لیے مُرید درخواست کرتا ہے کہ اُسے اندرون میں مُرشد کی نورانی ہیئت کے دیدار حاصل ہوں۔

باقاعدگی کے ساتھ مراقبہ کرنے سے ہم اِس نوُری ہیئت تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہمیں صحیح طریقوں سے اور پوری دِلجمعی کے ساتھ مراقبہ کے لیے بیٹھنا چاہیے اور یکسُو ہوکر، جو کچھ بھی ہمیں نظر آرہا ہو، اُس کے بیچ میں دیکھتے رہنا چاہیے۔ خیالات ہماری یکسُوئی کو منتشر نہ کرسکیں، اسی لیے ہمیں دِل ہی دل میں خُدا کے اُن پانچ ناموں کا وِرد کرنا چاہیے جو مُریدی کے وقت ہمیں اپنے مُرشد سے حاصل ہوتے ہیں۔ اِس طریقے سے مراقبہ کرنے پر ہمیں جلد ہی اندرون میں روشنی دِکھائی دینے لگا۔ ہمیں کسی بھی رنگ کی روشنی دِکھائی دے سکتی ہے۔ جو کچھ بھی ہمارے سامنے آئے، ہمیں اُس کے بیچوں بیچ دیکھتے رہنا چاہیے۔ آہستہ آہستہ ہم روشنیوں سے آگے نکل کر اندرونی آسمان، ستارے، چاند اور سورج تک پہنچ جائیں گے۔ ہمارے سامنے جو کچھ بھی آئے، اُس کے بیچ میں یکسُو ہوکر دیکھتے رہنے سے ہم بالآخر مُرشد کی نورانی ہیئت تک پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد وہ نوُرانی ہیئت ہمیں اندرونی حلقوں کے سفر پر لے جائے گی اور اَنڈ، برہمانڈ اور پاربرہم کے حلقوں کو پار کرواتے ہوئے بالآخر ہمیں 'سچ کھنڈ' لے جا کر خُدا کی گود میں پہنچا دے گی۔

جن لوگوں کو ابھی مُریدی نہیں ملی ہے وہ 'جیوتی میڈی ٹیشن' یعنی مراقبۂ روشنی نامی ابتدائی طریقے کی مشق کر سکتے ہیں اور آخر میں مراقبہ کرتے وقت دِل ہی دِل میں خُدا کے کسی بھی نام کا وِرد کر سکتے ہیں، تاکہ وہ بھی اندرون میں ملنے والے لامحدود سکون کا تھوڑا سا احساس کرسکیں۔

حالانکہ مُرید، مُرشد سے زیادہ شفقت کے لیے درخواست کرسکتا ہے، لیکن کوشش کے بغیر درخواست کافی نہیں ہے، مُرید کا روزانہ مُراقبہ کرنے کے لیے بیٹھنا بھی ضروری ہے۔ یہاں کوشش اور شفقت دونوں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ہمیں اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی ہے اور روزانہ ڈھائی گھنٹے کے لیے صحیح طریقے سے مراقبہ کرنا ہے۔ ہمارے اندر خُدا کو پانے کی لگن ہر وقت موجود رہنی چاہیے۔ اِس سے ہم پر خُدا کی زیادہ رحمت ہوتی ہے۔ ہماری رُوحانی خواہش کی تکمیل ہوتی ہے اور ہم مُرشد کی نورانی ہیئت کا دیدار کر پاتے

ہیں، جو پھر ہمیں خُدا تک جانے والے سفر پر لے چلتے ہیں۔

یہ کافی نہیں ہے کہ ہم صرف خُدا کو پانے کی درخواست کرتے رہیں اور مراقبہ کے لیے نہ بیٹھیں۔ ہمیں روزانہ وقت متعین پر مراقبہ ضرور کرنا چاہیے، وہ بھی پورے جوش اور لگن کے ساتھ۔ تب یقیناً ہم پر خُدا کی اور زیادہ رحمت ہوگی۔ کوشش و رحمت کے اس متحدہ اثر سے ہماری دُعائیں قبول ہو جائیں گی اور ہم اندرون میں مُرشد کی روشن ترین نورانی ہیئت تک پہنچ جائیں گے۔ تبھی صحیح معنوں میں ہمارا اندرونی رُوحانی سفر شروع ہوگا۔

اگر ہمیں مُرشد کی شفقت کا احساس کرنے کی خوش نصیبی حاصل ہو، جو مختلف طریقوں سے ہم تک پہنچتی ہے، جیسے ہماری تکلیفوں کا خاتمہ ہونا یا اندرون میں مُرشد کی نورانی ہیئت کا دیدار ہونا، تو ہم اِس شعر میں کی جا رہی مُرشد کی تعریف کو صحیح معنوں میں محسوس کر پائیں گے۔ تب ہم بھی سنت درشن سنگھ جی کی طرح اِن الفاظ میں مُرشد کا شکریہ ادا کر سکیں گے:

سلام اے پیرِ میخانہ

سلام اے پیرِ میخانہ

حصّہ—4

کیفیتِ
دربارِ
دوست

باب–10

وَجد میں ہیں جام و مینا

کیا بتائیں ہم تمھیں کیفیتِ دربارِ دوست
وَجد میں ہیں جام و مینا رقص میں انوارِ دوست

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

سنت درشن سنگھ جی یہاں مُرشد کی شفقت کا بیان کر رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں کہ اُن کی صُحبت میں ہمیں کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اُن کی محفل میں آ کر ہمیں کیا کیا ملتا ہے۔ وہ ہمیں ایک جھلک دِکھلا رہے ہیں کہ ایک مُرشدِ کامل کے ست سنگ میں آ کر مُرید کو کیا احساس ہوتا ہے۔ یہاں خُدا کی تلاش کر رہے ہر ایک متلاشی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ یہاں آنا کسی ایک مُلک یا ذات کے لوگوں کی اجارہ داری نہیں ہے۔ یہ حق کے متلاشیوں اور خُدا کے عاشقوں کی کھلی محفل ہے۔

اِس شعر میں شاعر پوچھ رہا ہے کہ ہم مُرشد کی محفل کے جلوؤں کا بیان کیسے کریں۔ اس محفل میں ایسی انوکھی اور عجیب بات کیا ہے؟ سنت درشن سنگھ جی کی شاعری میں رُوحانی استعاروں کا استعمال کیا گیا ہے۔ رُوحانی حقائق کو سمجھانے کے لیے اگر لوگوں کی روزمرّہ کی زندگی سے مثالیں لی جائیں، تو وہ بات کو بہتر طریقے سے سمجھ پاتے ہیں۔ اِس شعر میں سنت درشن سنگھ جی میخانے کے استعارہ کو آگے بڑھا رہے ہیں، جہاں لوگ شراب پینے کے لیے جاتے ہیں تاکہ وہ نشے میں اپنے دُنیاوی مسائل کو بھول سکیں۔ لیکن شراب پینے کے بعد اُنھیں اِس کے کئی نقصان اُٹھانے پڑتے ہیں، جیسے سردرد وغیرہ۔ اِس شعر میں میخانے

(شراب خانہ) اور ساقی (شراب پلانے والا) کی مثال استعمال کی گئی ہے۔ ایک میخانے میں سبھی طرح کے لوگ آتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے یہ نہیں پوچھتے کہ وہ کس مذہب یا مُلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ایک ساتھ بیٹھ کر شراب پینے سے مطلب رکھتے ہیں، کیونکہ اُن سب کا مقصد تو نشہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن وہ لوگ شراب کے مضر اثرات کے بارے میں نہیں سوچتے۔ سنت درشن سنگھ جی یہاں میخانے کی مثال کے ذریعہ خُدا کے عاشقوں اور متلاشیوں کی محفل کے بارے میں سمجھا رہے ہیں۔

گزشتہ ایک شعر کی تشریح کرتے وقت ہم نے دیکھا تھا کہ کس طرح رُوحانیت میں 'میخانے' کے استعارہ کا استعمال اُس محفل کے لیے کیا جاتا ہے جہاں ہم مُرشدِ کامل کی موجودگی میں ہوتے ہیں۔ مُرشد وہ ماورائی ساقی ہے، جو خُدا کے پاکیزہ نام یا لفظ یا ملکوتی روشنی و سماعت کی ماورائی شراب ہمیں پلاتا ہے۔ وہ ماورائی نوُر اور آواز خُدا کی دو اہم شکلیں ہیں۔ اِس شعر میں سنت درشن سنگھ جی نے ''جام و مینا'' کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ 'جام' کا مطلب ہے پیالہ اور مُرید اور 'مینا' کا مطلب ہے صراحی اور مُرشد۔ مُرشد وہ صراحی ہے، جس سے ماورائی شراب انڈیلی جاتی ہے اور مُرید وہ پیالہ ہے، جس میں ماورائی شراب انڈیلی جاتی ہے۔

جب ہم لفظ 'ساقی' کی طرف دیکھتے ہیں، تو ہمارے دماغ میں اُس شخص کی شبیہ اُبھر آتی ہے جو میخانے میں شراب بانٹتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ساقی یا دَورِ جدید کا 'بارٹینڈر' خود پورے ہوش میں رہتا ہے اور دوسروں کو شراب پلاتا ہے، تاکہ وہ نشے میں آسکیں۔ اگر ساقی ہوش میں نہیں ہوگا، تو وہ دوسروں کو شراب نہیں پلا پائے گا۔ اسی لیے اُس کا پورے ہوش میں ہونا ضروری ہے۔ اگر سنت درشن سنگھ جی مہاراج اِس شعر میں کسی مادّی ساقی کا ذکر کر رہے ہوتے، تو وہ کہتے کہ ساقی پورے ہوش و حواس میں ہے۔ لیکن وہ یہاں کہہ رہے ہیں کہ محفل میں ہر کوئی مستی میں ہے۔ ہر کوئی ناچ رہا ہے، جھوم رہا ہے۔ رقص کی شبیہ کا استعمال کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ لوگ بے حد خوشی کی حالت میں ہیں۔ جب سنت درشن سنگھ جی کہہ رہے ہیں کہ جام اور مینا دونوں مستی میں ناچ رہے ہیں، تو وہ بتا رہے ہیں کہ محفل میں موجود ہر شخص خوشی سے جھوم رہا ہے۔ وہ سب مستی کے عالم میں ہیں، کیونکہ وہ ساقی اور مُرشدِ کامل کی آنکھوں سے نکلنے والی خُدا کی ماورائی شراب پی رہے ہیں۔ ماورائی شراب کا مطلب

ہے مُرشد کی ہیئت سے جاری ہونے والی خُدا کی رُوحانی طاقت۔ اُس ملکوتی طاقت کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے مُرشد خود بھی لطفِ اعلیٰ کی حالت میں ہے۔ چونکہ خُدا جو خود اُس ملکوتی شراب کے سرچشمے ہیں، لُطفِ اعلیٰ میں ہیں، اسی لیے اُس ماورائی شراب کو پینے والے متلاشی بھی لُطف اور مستی کے عالم میں پہنچتے چلے جاتے ہیں۔

اِس دُنیا میں جب لوگوں کے سامنے کوئی پریشانی آتی ہے، تو وہ کئی بار ہمّت ہار جاتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں کہ شراب پینے سے اُن کی پریشانی دُور ہوجائے گی۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ کچھ گھنٹہ نشے میں رہنے کے بعد جب وہ ہوش میں آئیں گے، تو اُنھیں اپنی پچھلی پریشانیوں کے ساتھ ساتھ شراب سے پیداشدہ مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ رُوحانیت کے راستے پر قدم بڑھاتے ہوئے جب ہم ایک مُرشدِ کامل سے مریدی اور رُشد و ہدایت حاصل کرتے ہیں، تو اُس کی ایک شرط یہ ہوتی ہے کہ ہم شراب اور ہر طرح کی دیگر منشیات سے دُور رہیں۔ کیوں؟ ہم مراقبہ کے ذریعہ اپنے شعور کو بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں، تا کہ ہم خُدا کے پاس واپس جاسکیں۔ چونکہ شراب اور دیگر منشیات کا استعمال کرنے سے ہمارے شعور میں تنزّلی آتی ہے، اسی لیے ہمیں اُن سے دُور رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنے شعور میں اضافہ کرنا ہے، نہ کہ اُسے کم کرنا ہے۔

اس سلسلے میں ایک راجہ اور اُس کے بیٹے کی کہانی قابلِ توجہ ہے۔ راجہ چاہتا تھا کہ اُس کا بیٹا ایک عام انسان کی طرح بڑا ہو، تا کہ بعد میں وہ رعایا کی پریشانیوں کو بہتر طریقے سے سمجھ سکے۔ اسی لیے اُس نے شہزادے کو ایسی کوئی سہولت یا عیش و آرام کی چیز مہیّا نہیں کرائی جس سے وہ بگڑ جائے۔ اِس کے بجائے اُس نے شہزادے کی تربیت ایک عام بچّے کی طرح کی۔ شہزادے نے عام لوگوں کی طرح کام کاج کرنا سیکھا۔ اکثر اِن میں ایسے کام تھے، جو اُسے خود اپنے ہاتھوں سے کرنے پڑتے تھے۔ وہ سادہ غذا کھاتا تھا، سخت بستر پر سوتا تھا اور اکثر بھوک اور سردی کا سامنا کرتا تھا، جیسا کہ اُس دَور کے لوگ کرتے تھے۔ ان وجوہات سے وہ اندر سے مضبوط ہوگیا اور ساتھ ہی دوسروں کے دُکھ کے تئیں شفقت سے لبریز ہوگیا۔

جب شہزادہ بارہ سال کا ہوا، تو ایک بار وہ اپنی ماں کے ساتھ اپنے نانا کے یہاں

گیا، جو ایک دوسرے سلطنت کا راجہ تھا۔ اُس کا نانا ایک دولت مند اور طاقتور راجہ تھا اور اُس کی سلطنت بہت وسیع تھی۔

جب نانا نے اپنے نواسے کو دیکھا، تو وہ اُس کی خوبصورتی، اُونچے قد اور ڈیل ڈول سے بہت خوش ہوا۔ اُس نے شہزادے کی ماں سے کہا کہ وہ چاہتا ہے کہ کچھ دن بچّہ اُسی کی سلطنت میں اُس کے ساتھ رہے۔ نانا نے اپنے نواسے کو خوش کرنے کے لیے اُسے بہت سارے تحفے بھی دیئے۔

جن دِنوں شہزادہ وہاں رہ رہا تھا، اُس کے نانا کو خیال آیا کہ کیوں نہ اُس کے خیر مقدم میں ایک شاندار دعوت کا انعقاد کیا جائے۔ اُس موقع پر راجہ نے کئی طرح کے لذیذ کھانا تیّار کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی اُس نے رقص و موسیقی کا بھی انتظام کیا۔ اُس نے شہزادے سے کہا کہ وہ اس دعوت میں اپنے سبھی دوستوں کو مدعو کرسکتا ہے۔

جب دعوت کا دن آیا تو ساری تیاریاں بہت ہی شاندار طریقے سے کی گئی تھیں اور ڈھیر سارے نوکر چاکر خوبصورت لباس میں کھڑے ہوئے مہمانوں کا انتظار کر رہے تھے۔ موسیقاروں اور رقّاصاؤں نے بھی اپنی اپنی جگہ لے لی تھی۔ لیکن اُس وسیع ہال میں صرف دو لوگ داخل ہوئے — راجہ کی بیٹی اور اُس کا نواسہ۔ کوئی دوسرا مہمان وہاں نہیں آیا۔

راجہ نے اپنے نواسے سے پچھا، ''کوئی مہمان کیوں نہیں آیا؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم اپنے سارے دوستوں کو بلا سکتے ہو۔ اتنا سارا لذیذ کھانا تیّار ہے، لیکن اِسے کھانے والا کوئی نہیں ہے۔ تمہارے دوست کہیں ہیں؟''

شہزادے نے جواب دیا، ''میں نے کسی کو مدعو نہیں کیا۔''

راجہ نے پوچھا، ''کیوں؟''

شہزادے نے جواب دیا، ''جہاں سے میں آیا ہوں، وہاں ایسی شاندار دعوت کا انعقاد نہیں کیا جاتا۔ جب کسی کو بھوک لگتی ہے تو وہ روٹی اور سادہ غذا کھا لیتا ہے۔ ہم کبھی اتنی مہنگی غذا نہیں کھاتے اور نہ ہی بڑی بڑی دعوتوں کا انعقاد کرتے ہیں۔ ہم سب سادہ غذا کھاتے ہیں اور جو کچھ بھی ہمارے پاس ہوتا ہے، اُسے ایک دوسرے کے ساتھ مل بانٹ کر کھاتے ہیں۔''

اُس کے نانا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنے نواسے پر غصّہ ہو یا اُس پر فخر کرے،

اسی لیے اُس نے کوئی ردِّ عمل نہیں کیا۔ اُس نے صرف اتنا کہا، ''خیر، جو یہ اتنا سارا کھانا بنا ہوا ہے، اِس کا کیا کریں؟ یہ کھانا تمہارے لیے تھا، بالآخر یہ سارا کھانا بھی تمہارا ہے۔ تم اِس کا جو چاہو کرو۔''

شہزادے نے کہا، ''میں اِسے لوگوں میں تقسیم کردوں گا۔'' اُسے اُن سبھی لوگوں کا خیال آیا جنھوں نے اُس کی خدمت کی تھی اور اُس نے ان سب میں وہ لذیذ کھانا تقسیم کردیا۔ اُس نے تھوڑا کھانا راجہ کے اُس خادم کو بھجوایا جس نے اُسے گھوڑسواری سکھائی تھی۔ اُس نے تھوڑا کھانا اُس ضعیف خادم کو بھجوایا جو اُس کے نانا کی خدمت کرتا تھا۔ اُس نے اُن خادموں میں بھی غذا تقسیم کی جو اُس کی ماں کی خدمت کرتے تھے۔ باقی بچا کھانا اُس نے راجہ کی عام رعایا میں تقسیم کردیا۔

راجہ کا ایک خادم، جو اُسے شراب پلاتا تھا، اِس بات کا بُرا مان گیا کہ شہزادے نے اُسے وہ لذیذ کھانا نہیں دیا۔ راجہ کا بھی ذہن اِس بات کی طرف گیا کہ اُس کے خادم کو کھانا نہیں دیا گیا تھا۔ چونکہ وہ ساقی راجہ کا عزیز خادم تھا، اسی لیے راجہ کو بھی بُرا لگا کہ شہزادے نے اُسے تھوڑا سا بھی کھانا نہیں دیا۔

راجہ نے اپنے نواسے سے پوچھا، ''تم نے میرے ساقی کو کھانا کیوں نہیں دیا؟''

شہزادے نے جواب دیا، ''مجھے نہیں لگتا کہ وہ آپ کی صحیح طریقے سے خدمت کرتا ہے۔ مجھے اُس کا رویّہ پسند نہیں۔ وہ بہت غرور اور اکڑ میں رہتا ہے۔ وہ بہت شان دِکھاتا ہے، خاص طور پر جب وہ آپ کو شراب پلا رہا ہوتا ہے۔''

راجہ نے کہا، ''اگر وہ تھوڑی اکڑ دِکھاتا بھی ہے تو کیا ہوا؟ وہ ایک بہت ہُنرمند ساقی ہے۔''

شہزادے نے کہا، ''ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے کام میں ماہر ہو، لیکن اگر آپ مجھے اپنا خادم بنالیں تو میں اُس سے بھی بہتر ساقی ثابت ہوں گا۔''

راجہ اپنے نواسے کی ثابت قدمی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اُسے لگا کہ اُسے شہزادے کو ساقی بننے کا ایک موقع دینا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ اِس میدان میں کتنا باصلاحیت ثابت ہوسکتا ہے۔ اُس نے اپنے نواسے سے کہا کہ وہ اگلی صبح سے آجائے اور

راجہ کا ساقی ہونے کی ذمہ داری سنبھال لے۔

اگلی صبح شہزادہ ساقی کے لباس میں پوری شان کے ساتھ راجہ کے پاس آیا۔ اُس نے اپنی بانہہ پر ایک کپڑا ڈالا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا، جو اُس نے پورے وقار کے ساتھ پکڑا ہوا تھا۔

راجہ نے اُس سے شراب طلب کی۔ شہزادے نے اُسے شراب کا پیالہ دے دیا۔

راجہ اور شہزادے کی ماں نے مناسب برتاؤ اور سلیقہ دِکھانے کے لیے شہزادے کی تعریف کی۔

راجہ نے کہا، ''تم نے بے شک بہت اچھا مظاہرہ کیا، لیکن تم ایک چیز بھول گئے۔''

''وہ کیا؟'' شہزادے نے پوچھا۔

راجہ نے کہا، ''راجہ کو شراب دینے سے پہلے ساقی تھوڑی سی شراب پیالے میں ڈال کر خود چکھتا ہے، یہ جانچنے کے لیے کہ وہ شراب اچھی ہے یا نہیں، پھر وہ شراب کا پیالہ راجہ کو دیتا ہے۔ تم یہ کرنا بھول گئے۔''

شہزادہ بولا، ''میں یہ بالکل نہیں بھولا تھا۔''

اُس کی ماں نے پوچھا، ''پھر تم نے ایسا کیا کیوں نہیں؟''

شہزادے نے کہا، ''میں نے شراب کو خود نہیں چکھا کیونکہ مجھے لگتا ہے، اِس میں زہر ہے۔''

یہ سن کر راجہ خوف زدہ ہو گیا اور چلّا کر بولا، ''زہر؟''

شہزادے نے کہا، ''ہاں، یہ زہر ہے۔ میں اِسے نہیں پیوں گا۔ اُس دِن جب آپ اپنے دوستوں کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہے تھے، میں نے دیکھا کہ شراب پی کر آپ عجیب سا برتاؤ کرنے لگے تھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ کے مہمانوں نے بھی شراب کے کئی پیالے پیے اور تھوڑی دیر بعد وہ بیہودہ باتیں اور بدسلوکی کرنے لگے۔ وہ زور زور سے گانے لگے، اِدھر اُدھر گرنے پڑنے لگے اور گندی باتیں کرنے لگے۔ پورا ماحول خراب ہو گیا۔ یہاں تک کہ میرے پیارے نانا جی، آپ بھی اُنھیں کی طرح بدسلوکی کرنے لگے۔ آپ ایسے پیش آ رہے تھے جیسے آپ بھول چکے ہوں کہ آپ راجہ ہیں اور آپ کی ایک

شان ہے۔ آپ اُٹھ کر پھوہڑ طریقے سے ناچنے لگے اور پھر اچانک فرش پر گر پڑے۔ آپ کافی دیر تک بے ہوش پڑے رہے اور پھر ہوش میں آنے پر اُلٹی کرنے لگے۔ یہ سب کچھ کتنا گھناؤنا تھا۔ مجھے تو ایسی چیز کا ایک گھونٹ لینے میں بھی ڈر لگتا ہے جس کی وجہ سے لوگ ایسا گندا برتاؤ کرنے لگے۔ اِسی لیے میں شراب کو زہر مانتا ہوں۔''

راجہ نے پوچھا کہ کیا تمہارے والد کبھی شراب نہیں پیتے؟

شہزادے نے جواب دیا،''وہ نشے کے لیے کبھی کچھ نہیں پیتے۔ وہ اپنی پیاس بجھانے کے لیے صرف الکحل سے پاک شربت پیتے ہیں۔ اسی لیے میں کبھی شراب نہیں پیوں گا، چاہے میں ایک ساقی کی نوکری ہی کیوں نہ کروں۔''

یہ قدیم کہانی بتاتی ہے کہ رُوحانیت کے راستے پر چلنے والے لوگ شراب کے تئیں کیسا رویّہ رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ لوگ تھوڑی دیر کے لیے اپنے دُنیاوی مسائل کو بھلانے کے لیے شراب پیتے ہیں، لیکن وہ یہ سچّائی بھی جانتے ہیں کہ شراب پینے سے ہمارے شعور میں تنزّلی آتی ہے اور ہمارے حواس ہمارے قابُو میں نہیں رہتے اور ہم اپنے برتاؤ سے خود کو اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اکثر ایسے لوگ، جو دوسروں کے ساتھ بات کرنے میں جھجکتے ہیں، اُنھیں لگتا ہے کہ ایک دو پیگ پینے سے اُن کی جھجک ختم ہو جائے گی اور وہ دوسروں کے ساتھ کھل کر بات چیت کر پائیں گے۔ کچھ کو یہ بھی لگتا ہے،''شراب پینے کی وجہ سے میں پورے ہوش میں نہیں ہوں، اس لیے میرے پاس ایک بہانہ ہے کہ اب میں جو چاہوں، وہ کر سکتا ہوں۔'' اُنھیں اصل میں اُن تکلیفوں کا اندازہ نہیں ہوتا جو شراب پینے سے اُن کی زندگی میں آ جاتی ہیں۔ شراب لوگوں کو جسمانی، ذہنی، جذباتی، اقتصادی اور رُوحانی طور سے نقصان پہنچاتی ہے۔

اِسی وجہ سے سنت مسلک کی روایت میں، مُریدی کے دوران متلاشیوں کو شراب و دیگر سبھی منشیات کو چھوڑنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔ کیوں؟ شراب اور دیگر منشیات ہمارے شعور کا خاتمہ کرتی ہیں۔ وہ ہماری سچّی، شگفتہ رُوحانی حالت کو خراب کرتی ہیں اور ہمارے شعور میں اضافہ کرنے کے بجائے اُسے کم کرتی ہیں۔ مُریدی لینا مزید شعور کی طرف قدم بڑھانا ہے، اِس بات کے تئیں اور زیادہ بیدار ہونا ہے کہ ہمارا اصلی شکل کیا ہے اور اِس

زندگی کی حقیقت کیا ہے۔

شہزادے کے کچھ اصول تھے اور وہ اُنہیں کے مطابق اپنی زندگی گزار رہا تھا، چاہے دوسرے لوگ اُس پر کسی اور طریقے سے جینے کا دباؤ کیوں نہ ڈالیں۔ اِسی طرح رُوحانیت کے راستے پر چلنے والوں کے لیے ایک ضروری اصول ہے، شراب اور دیگر سبھی طرح کی منشیات سے قطعی پرہیز کرنا۔

اِس کے بجائے متلاشی نشہ حاصل کرتے ہیں رُوحانی ساقی سے، جو ہمیں ملکوتی نام نیز خُدا کے نوُر اور سماعت کی شراب پلاتے ہیں۔ شعر کے مطابق جام اور مینا، دونوں ہی لطفِ اعلیٰ میں جھوم رہے ہیں، کیونکہ وہ خُدا کے ساتھ اپنی قربت کا احساس کر رہے ہیں۔ یہ ماورائی شراب اور خُدا کی ماورائی طاقت، ہمیں رُوحانی نشہ فراہم کرتی ہے اور ہمارے شعور کا خاتمہ نہیں کرتی۔ یہ ہمیں ملکوتی نوُر اور سماعت کی لہر کے ساتھ منسلک کر کے اعلیٰ ترین رُوحانی حلقوں میں لے جاتی ہے اور بالآخر واپس خُدا کے پاس پہنچا دیتی ہے۔ اِس سے بہتر کچھ نہیں ہے۔ یہ احساس کرنے سے بہتر کیا ہوسکتا ہے کہ ہم خالقِ کائنات کے ایک جُز ہیں؟ تو اِس شعر میں رُوح بہت زیادہ خوشی سے رقص کر رہی ہے، کیونکہ وہ اُس ناقابلِ بیان ماورائی خُمار کا احساس کر رہی ہے، جو الٰہی طاقت سے منسلک ہونے پر محسوس ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے ہماری رُوح اِس مادّی جسم میں قید ہے اور دِل کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ اِسی لیے وہ اس لُطفِ اعلیٰ کا احساس نہیں کر پاتی ہے۔ اپنی روزمرّہ کی زندگی سے گزرتے ہوئے، ہم خود کو رُوح کی شکل میں احساس کرنے کا موقع کھو دیتے ہیں۔ دِل ہمارے اندر خواہشات پیدا کرتا ہے، تاکہ ہمارا ذہن رُوحانی خزانوں سے ہٹ کر باہری دُنیا میں لگ جائے۔ مادّی دُنیا کی کشش میں اُلجھ کر ہمارا قیمتی وقت ضائع ہوجاتا ہے، بے فائدہ گزر جاتا ہے۔ مُرشدِ کامل ہمیں سمجھاتے ہیں کہ ہم اپنا ذہن خُدا کی طرف لگائیں۔ جب ہماری رُوح تمام توانائی کے منبع کے ساتھ خدا کے ماورائی نوُر اور سماعت کے ساتھ منسلک ہوجاتی ہے، تو وہ اندرونی حلقوں میں اُڑان بھرنے لگتی ہے۔

ہم اِس حالت میں کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ اس شعر کے ذریعے سنت درشن سنگھ جی سمجھا رہے ہیں کہ رُوحانی ساقی کے میخانے میں آ کر ہم لُطفِ اعلیٰ کی حالت میں پہنچ سکتے ہیں۔

اس شعر میں لفظ 'وَجد' کسی مادّی رقص کی طرف اشارہ نہیں کر رہا، جس میں ہمارا جسم موسیقی کی لے پر جھُومتا ہے، بلکہ وہ اُس اندرونی مستی کی طرف اشارہ کر رہا ہے، جس کا احساس کر کے ہماری رُوح جھُوم اُٹھتی ہے۔ حالانکہ ہماری رُوح ہمارے جسم کے اندر قید ہے، وہ جسمانی شعور سے ماورا احساس حاصل کر سکتی ہے۔ کچھ لوگ اِسے ''جسم سے باہر کے احساس'' کہتے ہیں، لیکن اصل میں اِن احساسات کے دوران ہم جسم سے باہر نہیں جاتے، بلکہ اندرونی حلقوں کے اِن احساسات کے دوران ہمارا جسم کہیں بھی ہو سکتا ہے، جیسے ست سنگ میں۔ کئی بار، جو لوگ زُود اثر ہوتے ہیں، وہ ست سنگ میں بیٹھے ہوئے اپنے مادّی ماحول کے تئیں بے خبر ہو جاتے ہیں۔ وہ اتنے زُود اثر ہوتے ہیں کہ مُرشد کی طاقت سے آنے والا خُدا کا عشق اور رُوحانی نمو اُن کی رُوح کی گہرائیوں میں پہنچ جاتی ہے اور اُن کی رُوح رُوحانی حلقوں میں پرواز کرنے لگتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کتنے زُود اثر ہیں۔ خدا کی طاقت ہر وقت ہماری طرف آ رہی ہے۔ جو لوگ زُود اثر ہوتے ہیں، وہ اس طاقت سے فائدہ اُٹھا کر دُنیاوی خیالوں میں کھوئے رہتے ہیں یا جن کا ذہن پوری طرح سے خُدا کی طرف یکسُو نہیں ہوتا، اُن کی طرف آنے والی رُوحانی لہریں اُن سے ٹکرا کر دُوسری سمت چلی جاتی ہیں، کیونکہ وہ اُنھیں جذب کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اسی لیے اُنھیں اتنا فائدہ حاصل نہیں ہوتا جتنا ہونا چاہیے۔

اگر ہم زُود اثر ہوں گے، تو ہم اپنی سمت آنے والی سبھی رُوحانی لہروں کو جذب کر لیں گے۔ جب یہ ملکوتی نمو ہماری رُوح کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہے، تو ہماری رُوح جسمانی شعور سے اُوپر اُٹھ جاتی ہے۔ اگر ہم زُود اثر نہیں ہوں گے، تو ہمارا من رُکاوٹیں پیدا کر کے ہمیں اپنی جانب آنے والی توانائی کو جذب نہیں کرنے دے گا۔ دِل چاہتا ہے کہ ہم صرف باہری دُنیا کی سرگرمیوں میں مشغول رہیں۔ وہ ہمیں اپنے رُوحانی ہدف تک پہنچنے سے روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اپنے شعروں کے ذریعے سنت درشن سنگھ جی ہمیں نہ صرف یہ سمجھا رہے ہیں کہ رُوحانی میخانہ کیسا ہوتا ہے، بلکہ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ خُدا سے ملن کی حالت تک ہم کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ رُوح ہونے کی وجہ سے ہم سب خُدا کے جُز ہیں۔ خُدا کہیں آسمان میں یا بادلوں کے بیچ نہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ خُدا ہمارے اندر ہیں اور ہم پُرسکون

حالت میں بیٹھ کر اُن کا احساس کر سکتے ہیں۔ جسم اور دِل کے پوری طرح مستحکم ہونے پر ہماری روح رقص کرنے لگتی ہے۔ اسی لیے جب ہم پُرسکون حالت میں بیٹھ کر اندرونی حلقوں میں اُڑان بھرنے لگتے ہیں، تو ہم مستی اور استحکام کا احساس کرتے ہیں۔ اِسے سمجھنا تھوڑا مشکل ہے، کیونکہ باہری دُنیا میں جب ہم بے حد خوش ہوتے ہیں، تو رقص وغیرہ کے ذریعے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن رُوحانی حلقوں میں، رُوح کو خوشی تبھی حاصل ہوتی ہے جب وہ مُراقبہ کے دوران اندرون میں خُدا کی طاقت کا احساس کرتی ہے۔ یہ حالت صرف چند لوگوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ سنت کرپال سنگھ جی فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ ایک انسان کر سکتا ہے، وہ دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ ہمیں صرف اپنا ذہن پورے طور پر رُوحانی حلقوں میں لگانا ہے۔

رُوحانی میخانے میں ہر شخص لُطف اندوزی کی حالت میں ہوتا ہے۔ ساتھ ہی مُرشد، جو توجّہ فرما کر ہمیں اندرون میں خُدا کے ساتھ جوڑتے ہیں، وہ بھی مزے میں رہتے ہیں۔ مُرشد کا ہدف ہوتا ہے، ہماری رُوحوں کو واپس خُدا کے پاس لے جانا۔ رُوحیں جب خُدا میں جذب ہوتی ہیں، تو مُرشد بھی خوش ہوتے ہیں، کیونکہ رُوحوں کے خُدا میں واپس جذب ہونے سے اور آواگون کے چکر سے نجات حاصل کرنے سے مُرشد کی ذمہ داری کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہی کام مُرشد کو خوشی دیتا ہے۔ اِس دُنیا میں بھی، جب کوئی شاگرد اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتا ہے، تو اُس کے استاد کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ اِسی طرح، جب ہم باقاعدگی سے مراقبہ کے ذریعے اندرونی سفر میں ترقی کرتے ہیں، تو ہمارے مُرشد کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ اِسی لیے اس شعر میں مذکور پیالہ اور صراحی، مُرید اور مُرشد، دونوں خوشی سے جھوم رہے ہیں۔ اس رُوحانی میخانے میں پینے والے بھی لطف اندوزی کی حالت میں ہیں اور پلانے والا بھی۔

اِس شعر میں سنت درشن سنگھ جی یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ مُرشد کی باہری ہیئت جھوم رہی ہے، بلکہ مُرشد کی طاقت یا قوتِ الٰہی ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ یہ مُرشد کی ماورائی طاقت ہی ہمیں مُرید بناتی ہے، یہی مُرشد کی طاقت ہماری رہنمائی کرتی ہے اور اسی مُرشد کی طاقت کی ذمہ داری ہوتی، ہماری رُوحوں کو خُدا کے پاس واپس لے جانا۔ ست سنگ میں اپنے

مُریدوں کو ایک ساتھ مجتمع دیکھ کر یہی مُرشد کی طاقت خوش ہوتی ہے، کیونکہ وہ ہر ایک کی رُوح کو نمو فراہم کر کے اتصالِ الٰہی کے ہدف میں مددگار ہوتی ہے۔

جب بھی ہم اِن اشعار کو پڑھیں، ہمیں گہرائی کے ساتھ اِن کے مطالب کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ کئی بار جب ہم کوئی ترجمہ پڑھتے ہیں تو اصل تخلیق کا آدھا یا اُس سے بھی کم حصّہ سمجھ پاتے ہیں۔ کئی بار اصل موضوع کی گہرائی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اُس کے مطلب کو کسی دوسری زبان میں پوری طرح سے ڈھال پانا ممکن نہیں ہوتا۔ کئی بار دوسری زبان میں وہ الفاظ نہیں ہوتے جو پوری طرح اصل زبان کے الفاظ کی جگہ لے سکیں، یا جو پورے طریقے سے کسی تخلیق کے معنی کو خوبصورتی سے بیان کر سکیں۔ صدیوں سے عظیم شخصیتیں ماقبل کی عظیم شخصیتوں کے اقوال یا تخلیقات پر مبنی ست سنگ کرتی چلی آئی ہیں، تاکہ اُن کے الفاظ کے اصل معانی کو سمجھا سکیں۔ مُرشدِ کامل جب بھی اِس دُنیا میں آتے ہیں، وہ جو کچھ بھی بولتے یا لکھتے ہیں، وہ قطعی حق ہوتا ہے۔ عظیم شخصیتوں نے 5000 برس قبل مسیح یا ایک صدی قبل مسیح سچّائی کی جو تعلیم دی تھی، وہ آج بھی برحق ہے۔ عظیم شخصیتیں ہمیشہ حق کی تعلیم دیتی ہیں، چاہے اُنھوں نے اُسے الگ الگ طریقوں سے بیان کیا ہو یا اپنے زمانے میں مستعمل زبانوں میں سمجھایا ہو— ایسی زبانیں جو آج شاید مستعمل نہ ہوں۔ ایسے میں کئی بار جب اُن کی تخلیقات کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا جاتا ہے یا جب وقت کے ساتھ ساتھ اصل زبان کے لفظ کا معنی و استعمال تبدیل ہو جاتا ہے، تو عظیم شخصیتوں کے اقوال کا اصلی مطلب بھی کھو جاتا ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم ایک ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جب ہمارے پاس ذرائع ابلاغ کا ذخیرہ ہے۔ ہمارے پاس حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج کی تصاویر ہیں، ہمارے پاس کرپال سنگھ جی مہاراج کی آواز کے ٹیپ بھی ہیں۔ سنت کرپال سنگھ جی اور سنت درشن سنگھ جی کے کئی آڈیو اور ویڈیو کا ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے۔ تکنیکی ترقی کی وجہ سے ہم آج خود دیکھ اور سُن سکتے ہیں کہ اُس وقت وہ کیا کہہ رہے تھے۔ اُن کے اقوال کو سمجھنے کے لیے ہمیں کسی کے مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن عہدِ قدیم میں یہ تکنیک ہمارے پاس دستیاب نہیں تھی۔ اسی لیے رُوحانیت کے راستے کی صحیح جانکاری کے لیے ہمیں ماضی میں تشریف لا چکی ایسی عظیم شخصیتوں کے اقوال کے صحیح معانی کو سمجھنے کے

لیے مدد کی ضرورت ہوتی ہے جنھوں نے مختلف قسم کی زبان یا الفاظ کا استعمال کیا ہو۔ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، ہمیں ست سنگوں میں الگ الگ ذرائع سے بہت سی اشیا مل جاتی ہیں، جس کا استعمال کر کے ہم رُوحانیت کے سفر کو اور گہرائی سے سمجھ پاتے ہیں۔

ہمیں اس سوال پر غور کرنا چاہیے کہ ''ہم ست سنگ میں کیوں آتے ہیں؟'' کیا ہم یہاں دوسروں کے ساتھ میل ملاپ بڑھانے کے لیے آتے ہیں یا دوسروں کو یہ دِکھانے کے لیے آتے ہیں کہ ہم بہت رُوحانیت پسند ہیں کیونکہ ہم ست سنگ میں آئے ہیں؟ یا ہم یہاں روحانی فوائد حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں؟ ست سنگ میں آنے کا مقصد یہی ہونا چاہیے کہ ہم اپنی اندرونی ترقی کریں اور خُدا کو جانیں۔ ست سنگ میں آنے کا فائدہ ہماری رُوح تک پہنچنا چاہیے۔

سنت کرپال سنگھ جی فرمایا کرتے تھے، ''اگر میں ایک کمرے میں بیٹھ جاؤں، اور میرے کمرے کے باہر والے کمرے میں ایک وکیل بیٹھ جائے، اور اُس کے آگے والے کمرے میں ایک خزانچی بیٹھ جائے، اور اُس کے آگے والے کمرے میں ایک ڈاکٹر بیٹھ جائے، تو میرے تک تو ایک آدھ ہی پہنچے گا۔'' کافی لوگ سیدھے ڈاکٹر والے کمرے میں آئیں گے، کیونکہ مرشدِ کامل کے پاس آنے والے اکثر لوگ اُن سے اپنی بیماری کا علاج کرانے کے لیے آتے ہیں۔ چاہے وہ خود بیمار ہوں یا اُن کے والدین، چاچا چاچی، بھائی بہن یا کوئی دوسرے رشتے دار یا دوست بیمار ہوں، وہ لوگ عظیم انسانوں سے کسی نہ کسی بیماری کا علاج کرنے کی درخواست کر رہے ہوتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ زیادہ تر لوگ جسمانی تکلیفوں سے چھٹکارا پانے کے لیے آتے ہیں۔ اسی لیے اس مثال میں سنت کرپال سنگھ جی نے ڈاکٹر کو سب سے آگے والے کمرے میں بٹھایا ہے۔ لوگ ڈاکٹر سے ملیں گے اور جب اُن کی تکلیف دُور ہو جائے گی، وہ ہیں سے واپس چلے جائیں گے۔ کچھ لوگ اس لیے آتے ہیں کیونکہ اُنھیں دولت سے متعلق کوئی پریشانی ہوتی ہے۔ اُن کی نوکری یا پیشہ اچھا نہیں چل رہا ہوتا یا دُنیا کی اقتصادی حالت ہی چرمرا گئی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ خزانچی سے ملیں گے، دولت لیں گے اور مطمئن ہو کر واپس چلے جائیں گے۔ وہ مرشدِ کامل سے ملنے کے لیے آگے کے کمرے میں جائیں گے ہی نہیں۔ کچھ ایسے لوگ آتے ہیں جن کے مقدمے

چل رہے ہوتے ہیں۔ اُن کے قانونی مسائل ہوتے ہیں۔ اگر اگلے کمرے میں بیٹھا وکیل اُن کے مسائل کو سُلجھا دے گا، تو بہت کم لوگ مرشدِ کامل سے ملنے کے لیے آخری کمرے میں جائیں گے۔ سنت کرپال سنگھ جی فرماتے تھے، ''مجھ سے ملنے بہت ہی کم لوگ آئیں گے۔'' اکثر لوگ ڈاکٹر، خزانچی اور وکیل سے مل کر واپس لوٹ جائیں گے۔ اُن کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بہت کم لوگ رُوحانیت کی دولت پانے کے لیے مرشدِ کامل کے پاس آتے ہیں، اکثر لوگ اپنی جسمانی، اقتصادی اور قانونی مسائل کو حل کروانے کے لیے وہاں آتے ہیں۔ اگر ہمیں اِن تینوں شعبوں کی مدد مل بھی گئی، تو وہ صرف ہمارے مادّی وجود کو فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن مرشدِ کامل سے حقیقی فائدہ ہمیں رُوحانی ترقی کے رُوپ میں حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہمیں چوراسی لاکھ مخلوقات کے چکر سے باہر نکالنے کے لیے اہل ہوتے ہیں۔ اُن کی صحیح رہنمائی ہماری رُوح کو اُس کے حقیقی 'سچ کھنڈ' پہنچا دیتی ہے۔ یہی فائدہ حاصل کرنے کے لیے ہمیں اُن کے پاس جانا چاہیے۔

ایسی کئی مثالیں ہیں جہاں عظیم ہستیوں نے اپنے مُریدوں سے کہا ہے، ''جب تم اُس وقت مجھ سے کوئی مُراد مانگتے ہو جب میں خُدا کے ساتھ ہوتا ہوں، تو تمھیں کچھ بھی مل سکتا ہے، جو بھی تم نے مانگا ہو۔ لیکن تم دُنیاوی چیزیں ہی مانگتے ہو، اسی لیے تمھیں وہی ملتی ہے۔ اگر تم خُدا کو مانگتے، تو تمھیں خُدا مِل جاتے۔'' تو ہمیں احتیاط برتنی چاہیے کہ ہم مرشدِ کامل سے کیا مانگتے ہیں اور اگر ہم صرف جسمانی، ذہنی یا جذباتی چیزیں مانگتے رہیں، تو ہمیں صرف وہی ملیں گی۔ اصل درخواست ہونی چاہیے رُوحانی ترقی کے لیے، تاکہ ہم جلد سے جلد وصلِ خدا کے اپنے مقصد تک پہنچ سکیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چوراسی کے چکر سے نجات پا سکیں۔

جب بھی ہم ست سنگ میں آتے ہیں، ہمیں اپنے سارے دُنیاوی خیالات ہال یا پنڈال کے باہر چھوڑ دینا چاہئیں۔ اگر ہم وہاں آ کر بھی دُنیاوی چیزوں کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں، تو ہمیں وہاں سے کوئی فائدہ نہیں ملتا کیونکہ ہم یکسُو ہو کر نہیں بیٹھتے۔ ہمارا دھیان باہری دُنیا کی طرف لگا رہتا ہے۔ کچھ ملتا اُسی کو ہے جس کا پیالہ خالی ہو۔ پیالہ خالی ہونے کا مطلب ہے نرم دِلی سے بھرپور ہونا۔ اگر ہمارے اندر تکبّر ہوگا، تو ہم کچھ نہیں پا سکیں گے۔

کیفیتِ دربارِ دوست

عظیم ہستیاں کہتی ہیں کہ کچھ پانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ نل اُوپر ہو اور گلاس نیچے ہو۔ پانی اُوپر نل سے نیچے گلاس میں گرتا ہے۔ پانی بھرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ گلاس خالی ہو اور نل کے نیچے ہو۔ یہی نرم دِلی ہے۔ مرشدِ کامل سے حقیقی فائدہ حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم یکسُو ہوں اور ''تیرا بھان میٹھا لاگے'' والی حالت میں زندگی گزاریں۔ ہمارا تکبّر ہمیں رُوحانی ترقی نہیں کرنے دیتا۔ ہماری اَنا چاہتی ہے کہ ہم ایک خاص طریقے سے برتاؤ کریں اور وہ ہماری رُوح اور خُدا کے بیچ آ جاتی ہے۔ جو لوگ اپنے تکبّر پر قابو حاصل کر لیتے ہیں، وہ اپنی رُوح کا ملاپ پرماتما سے کروانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

جب بھی ہمیں ایک سچّے ساقی، ایک مرشدِ کامل کی جسمانی موجودگی میں ہونے کا موقع ملے، ہمیں اُن سے ملنے والے رُوحانی آبِ حیات کو پینے کے لیے تیّار رہنا چاہیے اور اُن کی ماورائی شراب سے اپنے پیالے کو پوری طرح سے بھر لینا چاہیے۔

باب-11

انوارِ دوست

اُس کو اے محرومِ جلوہ دِل کی بینائی سے دیکھ
دیکھتا ہے ظاہری آنکھوں سے کیا انوارِ دوست

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

سنت درشن سنگھ جی کی ایک غزل کا یہ شعر ہمیں باہری اور اندرونی آنکھوں کے بیچ کے فرق کو سمجھاتا ہے۔ یہاں ست مُرشد کے ماورائی اقتدار کو ہمارا دوست کہا جا رہا ہے۔
سنت درشن سنگھ جی نے ایک اور شعر میں بھی اقتدارِ مُرشد کو اپنا دوست اور یار کہا ہے:

بجُز ساقی مرا یارے نہ باشد
بجُز عشق میرا کارے نہ باشد

یعنی مُرشد کے علاوہ میرا کوئی دوست نہیں ہے اور اُن سے عشق کرنے کے علاوہ مجھے کوئی کام نہیں ہے۔

ہمیں یہ سمجھ میں آنا بے حد ضروری ہے کہ مُرشد ہمارے واحد سچّے دوست ہیں۔ جو کچھ بھی ہمیں ان سے ملتا ہے، وہ ہمیں اس دُنیا کا کوئی بھی دوسرا شخص نہیں دے سکتا۔ کیوں؟ کیونکہ اس مادّی دُنیا کا ہر رشتہ محدود ہے۔ ہمارے کچھ نزدیکی ہم سے پہلے ہی اس دُنیا سے چلے جاتے ہیں، تو کبھی کسی غلط فہمی کی وجہ سے وہ لوگ بھی ہم سے دُور ہو جاتے ہیں جنھیں ہم اپنا بڑا قریبی سمجھتے تھے۔ ہمارے رشتوں میں مسائل یا اُتار چڑھاؤ آتے رہتے

ہیں۔ لیکن مُرشد ہمارے ساتھ ہر لمحہ موجود رہتے ہیں اور ہماری مدد کرتے رہتے ہیں۔ وہ ہمارے اندر خامیاں نہیں نکالتے رہتے، دُنیاوی رشتوں میں تو اکثر ایک شخص سوچنے لگتا ہے، ''میں سامنے والے کے لیے اتنا کچھ کر رہا ہوں، لیکن وہ میرے لیے کیا کر رہا ہے؟'' لیکن مُرشد کے کرم کی راہ یک طرفہ ہے۔ اُن کی جانب سے محبت صرف ہماری جانب آتی رہتی ہے، کیونکہ انھیں ہم سے کچھ نہیں چاہیے ہوتا۔ وہ صرف ہمیں دینے، دینے اور دینے کے لیے اس دُنیا میں آتے ہیں۔

وہ ہمیں کیا دیتے ہیں؟ مُرشد ہمیں وہ نجی اندرونی احساس عطا کرتے ہیں جو آگے چل کر ہماری رُوح اور خُدا کے اتصال کا ذریعہ بنتا ہے۔ بولے گئے الفاظ صرف ہمارے ذہن تک پہنچ سکتے ہیں، لیکن مُرشد کی جانب سے آنے والی رُوحانی لہریں ہماری رُوح کی گہرائی تک پہنچ کر ہمیں اندر سے تبدیل کر دیتی ہیں۔ یہ تبدیلی تب آتی ہے جب ہم خود اندرون میں خُدا کی روشنی اور آواز کا احساس کرتے ہیں۔ ہمیں اس دہلیز کو پار کر کے رُوحانی حلقوں میں قدم بڑھانا ہے۔ اسی وجہ سے سنت مت میں مراقبہ پر اتنا زور دیا جاتا ہے، تا کہ ہم خود اپنے اندرون میں خُدا کے اقتدار کا احساس کر سکیں۔

اس شعر میں کہا گیا ہے کہ ہم خُدا کو باہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ کیوں؟ کیونکہ خُدا غیر مرئی اور احساس ہے نیز وہ کسی مادّی شکل یا حد میں بندھا ہوا نہیں ہے۔ ہماری جسمانی آنکھیں صرف باہری دُنیا کی چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں، وہ خُدائی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اسی لیے خُدا کو جاننے کے لیے ہمیں جسم اور جسمانیت سے اُوپر اُٹھ کر رُوحانی کیفیت میں پہنچنے کی ضرورت ہے۔

اس شعر میں ہمیں یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ ہم اپنی باہری آنکھوں سے مُرشد کی طاقت کو نہیں دیکھ سکتے یا مُرشد کو صحیح معنوں میں پہچان نہیں سکتے۔ جسمانی آنکھوں سے ہم صرف مُرشد کی باہری جسمانی شکل کو دیکھ سکتے ہیں، اس سے آگے نہیں۔ لیکن مُرشد واقعی میں جسم نہیں ہیں۔ سچّا مُرشد اس جسم کے اندر کام کر رہی خُدا کی طاقت ہے، مُرشد کی طاقت ہے۔ اُس سچّے دوست کی روشنی، یعنی انوارِ دوست کو ہم صرف اپنی اندرونی یا رُوحانی آنکھ

سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس شعر میں مستعمل ''انوارِ دوست'' مُرشد کی نوری شکل کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

ہماری باہری آنکھیں اس مادّی دُنیا کی چیزیں دیکھنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ ہماری جسمانی آنکھیں اس مادّی دُنیا کی روشن شعاعوں کا ایک چھوٹا سا حصہ ہی دیکھ پاتی ہیں۔ ہماری آنکھیں ایکسرے اور ایم.آر.آئی.کی مدد سے بغیر مادّی جسم کے جِلد کے اندر ڈھکی ہڈّیاں اور اندرونی حصّے تک نہیں دیکھ پاتیں۔ ہم مختلف طرح کی مشینوں کا استعمال کر کے جسم کے اندر کی معلومات حاصل کر پاتے ہیں۔ ہماری سننے کی طاقت بھی کچھ خاص بازگشت اور frequencies تک ہی محدود ہے۔ انسان، آواز کی ایک خاص حد کے اوپر اور نیچے کی بازگشت نہیں سن سکتے، جب کہ کئی چرند و پرند وہ اُنچی اور نیچی بازگشت سن سکتے ہیں۔ ہماری مادّی آنکھوں اور کانوں کے دیکھنے اور سننے کی صلاحیت محدود ہے۔

لیکن جسمانی احساسات سے اوپر اُٹھنے پر اور اپنی حقیقی رُوحانی کیفیت کا احساس کرنے پر، ہم اپنی اندرونی آنکھ سے اپنے سچّے دوست کی منور شکل دیکھ پاتے ہیں، اپنے مُرشد کی نوری شکل کا دیدار کر پاتے ہیں۔

کسی نے سنت کرپال سنگھ جی مہاراج سے ان کے طالب علمی کے ابتدائی ایام میں پوچھا کہ اُن کے مُرشد حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج کتنے عظیم ہیں؟ تو اُنھوں نے جواب دیا، ''مجھے نہیں معلوم کہ وہ کتنے عظیم ہیں، لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے بہت ہی بلند ہیں۔ اُس سے بہت بلند ہیں جتنا میں چاہتا تھا۔'' اسے سمجھنے کے لیے ہم ایک طالب علم کی مثال لے سکتے ہیں جو ابتدائی درجے کے ایک استاد سے حروف تہجی لکھنا اور پڑھنا سیکھتا ہے۔ کچھ سال بعد اگر وہی طالب علم وسطی درجے میں پہنچتا ہے اور اسے وہی استاد ملتا ہے، تو وہ استاد اب طالب علم کو کئی مختلف طرح کے موضوع پڑھاتا ہے، مضامین وغیرہ لکھنا سکھاتا ہے۔ مان لیجیے کہ وہ استاد ہائی اسکول کلاس کو پڑھانے کے لیے بھی تربیت یافتہ ہے، تو جب وہ طالب علم ہائی اسکول میں پہنچتا ہے، تو وہی استاد اُسے ادب، ریاضی، سائنس وغیرہ جیسے کٹھن موضوعات پڑھاتا ہے۔ پھر، اگر کالج میں پہنچنے پر

بھی اس طالب علم کو وہی استاد پڑھاتا ہے، تو وہ اُسے مختلف موضوعات کا مشکل علم عطا کرتا ہے۔ پھر، اگر وہ طالب علم کسی موضوع میں ایم۔اے۔اور پی۔ایچ۔ڈی۔کی پڑھائی کرتا ہے، تو وہ استاد اس موضوع کی اعلیٰ تعلیم پانے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ جب وہ طالب علم پہلی بار ابتدائی درجے میں اس استاد سے پڑھنے کے لیے گیا تھا، تو فطری ہے، اسے استاد کے علم کی گہرائی کا اندازہ نہیں تھا۔ اُس چھوٹے درجے میں استاد نے اس طالب علم کو اُتنا ہی علم دیا جتنا کہ طالب علم اس سطح پر حاصل کرسکتا تھا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ استاد کو خود اتنا ہی علم تھا۔ وہ ہر بڑھتے ہوئے درجات میں طالب علم کو اُتنا علم دیتا گیا، جتنا کہ طالب علم حاصل کرنے کے لائق تھا۔ آج ایسے کئی استاد ہیں، جو صرف ابتدائی درجات کو پڑھانے کی خاص تربیت حاصل کرتے ہیں۔ ہر اگلے درجے میں طلبا کو بڑے درجوں کو پڑھانے والے اساتذہ کے پاس جانا پڑتا ہے۔ وسطی درجوں میں ایسے استاد چاہیے ہوتے ہیں، جو اس سطح کی پڑھائی کو سمجھا سکیں۔ ہائی اسکول اور کالج میں ایسے استاد چاہیے ہوتے ہیں جو اعلیٰ سطح کے موضوعات کو پڑھا سکیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ابتدائی درجے کے استاد کو وسطی درجے کے موضوع ہی پڑھانے آتے ہوں اور وہ ہائی اسکول کے موضوع نہ پڑھا سکتا ہو۔ ایک ہائی اسکول کا استاد شاید کالج سطح کے مضامین پڑھانے کا اہل نہ ہو۔ اسی طرح، ہوسکتا ہے کہ ایک کالج کا استاد ایم۔اے۔ درجات کو پڑھانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ تو ایک استاد یا استانی صرف اُسی سطح تک پڑھا سکتا ہے جس کا اُسے علم ہو یا جس کے لیے وہ تربیت یافتہ ہو۔ جیسے جیسے ہم اعلیٰ درجات میں پہنچتے جاتے ہیں، ویسے ویسے ہم ایک استاد کی صلاحیتوں کو زیادہ پہچاننے لگتے ہیں۔

یہی بات ایک رُوحانی استاد پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ اگر ایک رُوحانی استاد یا گرو، رُوحانی سفر کی پہلی منزل تک ہی پہنچا ہوگا، تو وہ آپ کو بھی وہیں تک لے جاسکے گا۔ اگر ایک استاد دوسری منزل تک پہنچا ہوگا، تو ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کو بھی وہاں تک لے جاسکے۔ اگر ایک استاد تیسری منزل تک پہنچا ہوگا، تو ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کو بھی وہاں تک لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ لیکن اگر کسی کو ایسا استاد مل جائے جو خود اعلیٰ رُوحانی حلقوں

تک پہنچ کر اپنی رُوح کا اتصال خُدا کے ساتھ کروا چکا ہو، تو وہ آپ کو بھی جسمانی سطح سے اُدھر لے جا کر اعلیٰ ترین رُوحانی حلقوں میں پہنچانے اور وہاں آپ کی رُوح کا اتصال خُدا سے کروانے کا اہل ہوگا۔ چوراسی لاکھ یونیوں کے چکر سے نجات پانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہماری رُوح اعلیٰ ترین رُوحانی حلقے، یعنی سچ کھنڈ میں پہنچ کر خُدا کے ساتھ منسلک ہو جائے۔

کہا گیا ہے کہ ہم مُرشد کو اُتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا وہ ہمیں بتائیں یا دِکھائیں۔ شروعات میں ہم مُرشد کی صرف باہری شکل کو دیکھتے اور جانتے ہیں۔ جب تک ہماری اندرونی آنکھ نہیں کھل جاتی، ہم مُرشد کو صرف ایک اُستاد سمجھتے ہیں، جو سنگت کرتے ہیں اور ہمیں باہری رہنمائی عطا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک مُرشد سے پوچھا جاتا ہے کہ انھیں کیسے مخاطب کیا جائے، تو وہ وہی جواب دیتے ہیں، جو حضور بابا ساون سنگھ جی، سنت کرپال سنگھ جی اور سنت درشن سنگھ جی دیا کرتے ہیں: ''مجھے ایک دوست سمجھ لو یا بڑا بھائی سمجھ لو۔ جب تم اندرون میں پرواز کرو گے، تب تم مجھے جو چاہو، بلا سکتے ہو۔'' جیسے جیسے ہم رُوحانی اعتبار سے ترقی کرتے جاتے ہیں، ویسے ویسے ہم اعلیٰ حلقوں میں مُرشد کی بڑھتی ہوئی مہربانی کا احساس کرتے جاتے ہیں نیز اُن کی ماورائی عظمت کو زیادہ سے زیادہ پہچانتے جاتے ہیں۔

جب مُرشد نامدان کے وقت ہمیں اپنی ماورائی توجہ عطا کرتے ہیں، تو ہماری اندرونی آنکھ کھل جاتی ہے۔ نامدان کیا ہے؟ نامدان حاصل کرنے کا مطلب ہے مُرشد کی طاقت سے احساس کا ایک حصہ حاصل کرنا۔ ہمیں اپنی اندرونی آنکھ کو کھولنے کے لیے اُس ماورائی احساس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب مُرشد کی توجہ سے ہماری اندرونی آنکھ کُھل جاتی ہے، تو ہم محسوس کر لیتے ہیں کہ وہ ہمیں خُدا کی ماورائی روشنی اور سماعت کے ساتھ جوڑنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جب وہ اندرونی داخلی دروازہ کُھل جاتا ہے، تو ہم اعلیٰ رُوحانی حلقوں میں جانے کے لائق بن جاتے ہیں۔ مُرشد ہماری اندرونی آنکھ یا تیسری آنکھ کو کھول دیتے ہیں، تا کہ ہم خُدا کے ماورائی نور کو دیکھ سکیں اور اُن کی ماورائی آواز کو سن سکیں، ساتھ ہی مسلسل ریاض کرنے سے ہم پاتے ہیں کہ مُرشد کی نوری شکل رُوحانی حلقوں کے سفر میں ہر

قدم پر ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اندرونی سفر کے راستے بہت مشکل ہیں۔ مُرشد کی نوری شکل پورے رُوحانی سفر کے دوران ہماری رہنمائی کرتی رہتی ہے، تا کہ ہم راستے کی مشکلات یا کشش میں نہ پھنس جائیں اور جلد سے جلد سچ کھنڈ پہنچ کر اپنی رُوح اور خُدا کے اتصال کے مقصد کو حاصل کر لیں۔

نامدان کا مطلب ہے ہماری رُوحانی ولادت، جس میں ہم رُوحانی اعتبار سے دوبارہ زندہ ہوتے ہیں۔ اُسی وقت سے ہمارا رُوحانی سفر صحیح معنوں میں شروع ہوتا ہے۔ سنت درشن سنگھ جی سمجھا رہے ہیں کہ اگر ہم خُدا سے ملنا چاہتے ہیں، تو ہمارے رُوحانی سفر کی شروعات تب ہوتی ہے جب ہماری اندرونی آنکھ کھل جاتی ہے۔ جب ہمیں وہ رُوحانی بیداری حاصل ہوتی ہے، تب ہمیں احساس ہوتا ہے کہ مُرشد جسم سے بڑھ کر بھی کچھ ہیں۔ مراقبہ میں ہم اپنے حقیقی دوست کو صحیح معنوں میں دیکھ پاتے ہیں اور وہ نوری شکل اندرونی سفر میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ جیسے جیسے ہم رُوحانی حلقوں میں ترقی کرتے ہیں اور دقیق حلقۂ اسباب کو پار کر جاتے ہیں، ویسے ویسے ہم مُرشد کی عظمت کو اور زیادہ محسوس کرتے جاتے ہیں۔ جتنی ترقی ہم کرتے جاتے ہیں، اُتنا ہی ہم مُرشد کی حقیقی عظمت سے روشناس ہوتے جاتے ہیں۔ جب ہم اعلیٰ ترین رُوحانی حلقوں میں پہنچ جاتے ہیں، تو ہم خود دیکھ پاتے ہیں کہ مُرشد واقعی خُدا سے منسلک ہیں۔ ہم جان جاتے ہیں مُرشد اُس عظیم ترین طاقت کے ساتھ منسلک ہیں جو کہ جملہ احساسات کا سرچشمہ ہے۔

اس طرح شروعات میں، ہم صرف مُرشد کے مادّی جسم کو دیکھ پاتے ہیں، لیکن بعد میں، اندرونی آنکھ کھل جانے کے بعد، ہم مُرشد کی طاقت کی حقیقی ماورائی ہیئت کا احساس کرتے ہیں۔ سنت مہاپرش ہمیشہ ہمیں ترغیب دیتے ہیں کہ ہم مسلسل مراقبہ کریں اور صفاتِ حسنہ سے لبریز رُوحانی زندگی گزاریں، تا کہ ہم بھی وہ حاصل کر سکیں، جو انھوں نے حاصل کیا ہے اور ہم بھی وہاں تک پہنچ سکیں، جہاں تک وہ پہنچے ہیں۔ تب ہم خود اپنی اندرونی آنکھ سے اپنے حقیقی دوست کے نور کو دیکھ پاتے ہیں، اُن کی ماورائی روشن شکل کا دیدار کر پاتے ہیں۔

منزلِ محبُوب

اگر ہم مُرشد کے رمز کو جاننا چاہتے ہیں اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ واقعی ہیں کون، تو ہمیں مراقبہ میں زیادہ سے زیادہ وقت دینا چاہیے۔ ہمیں کاہلی نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں اندرون میں احساس حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ مُرشد کی جسمانی شکل اور اُن سے ملنے والی رُوحانی ترقی ہماری مدد ضرور کرتی ہے، لیکن وہ ہمارا ہدف نہیں ہے۔ ہمیں اُن کی جسمانی شکل سے ملنے والی رُوحانی ترقی سے فائدہ اُٹھا کر اندرون میں ترقی کرنی چاہیے۔ روزانہ صحیح طریقے سے کیے گئے مراقبہ کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ آیئے، ہم اندرون میں ترقی کر کے اپنے حقیقی دوست کی نوری شکل کا دیدار کریں اور خُدا جذب میں ہو جائیں۔

حصّہ—5

رُوحانیت میں ڈوب جاؤ

باب–12

رُوحانیت میں ڈُوب جاؤ

جینے کی ہے گر تمنّا
رُوحانیت میں ڈُوب جاؤ،
ساحل پر کھڑے نہ رہ کر
گہری موجوں میں اُتر جاؤ،
پھر دیکھو کیسا سُکھد آشچریہ تم پاؤ گے
ڈُوبنے سے ہی تو پار اُتر پاؤ گے

—سنت راجندر سنگھ جی مہاراج

عام طور پر ہر نئے سال پر لوگ کوئی نہ کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ پچھلے سال کا تجزیہ کرتے ہیں، تاکہ دیکھ سکیں کہ کس عادت کی انھیں اصلاح کی ضرورت ہے، کون سی چیز وہ پہلے جیسی ہی رکھنا چاہتے ہیں اور کون سی چیز وہ بدلنا چاہتے ہیں، جن کی وجہ سے انھیں زندگی میں کبھی تکلیف اُٹھانی پڑی تھی۔ تو یہ اہم ہے کہ ہر نئے سال کی شروعات میں ہم خود سے پوچھیں کہ ہم کس سمت میں جانا چاہتے ہیں۔

نیا سال پرانے کو الوداع کہنے اور نئے کا استقبال کرنے کا وقت ہے۔ ہم ہر سال اپنا برتھ ڈے بھی مناتے ہیں، جو ہماری زندگی کے آنے والے سال کا پہلا دن ہوتا ہے۔ اسی طرح نیا سال پوری دُنیا کا مشترکہ برتھ ڈے ہوتا ہے، جس میں ہم سب مل کر آنے والے سال کا استقبال کرتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب ہم ایک نئی شروعات کر سکتے

ہیں، اپنے خوابوں کو نئی زندگی دے سکتے ہیں اور انھیں پورا کرنے کے لیے قدم اُٹھا سکتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے برتھ ڈے کے موقع پر پرانی بری عادتوں کو خود سے دُور کرنے کا عہد کرتے ہیں اور ایک نئی شروعات کرتے ہیں۔ اسی طرح نیا سال بھی ہم سب کو ایک ہی دن ایک ہی چیز کرنے کا مشترکہ موقع عطا کرتا ہے اور وہ ہے اپنی زندگی میں کچھ نیا اور اچھا لے کر آنا۔

اس سلسلے میں ایک عورت کی کہانی قابلِ ذکر ہے، جسے نئی نوکری ملنے کی وجہ سے دوسرے شہر جانا پڑ رہا تھا۔ اُس نے اپنا سامان باندھنے کے لیے پیشہ ور 'پیکرس اینڈ موورس' (ایسی کمپنی جو لوگوں کے گھر کا سارا سامان باندھنے اور اُسے دوسری جگہ پہنچانے کا کام کرتی ہے) کی مدد لی۔ اکثر جب بھی ہم کسی نئے گھر میں جانے لگتے ہیں، تو ہم صرف وہی چیزیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، جو ہمارے کام کی ہوتی ہیں اور اُن چیزوں کو پھینک دیتے ہیں، جو ہمیں بیکار لگتی ہیں۔ ہمیں یہ فیصلہ لینا پڑتا ہے کہ کون سی چیز ہمیں رکھنی ہے اور کون سی وہیں پرانے گھر میں چھوڑ دینی ہے۔ بدقسمتی سے وہ عورت دوسری تیاریوں میں اتنی مصروف تھی کہ اُس کے پاس اپنے سامان کی جانچ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اُس نے پیکرس سے کہا، ''میرے پاس وقت نہیں ہے، سب کچھ لے جاؤ۔'' پھر وہ کام پر چلی گئی اور پیکرس اُس کے گھر کا سارا سامان باندھنے میں لگ گئے۔ جب سامان نئے گھر میں پہنچانے کا دن آیا، تو اُنھوں نے اُس عورت کا سارا سامان وہاں پہنچا دیا۔ جب وہ لوگ چلے گئے اور عورت اپنا سامان کھول کر دیکھنے لگی، تو وہ بکسوں کے اندر کی چیزیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ جو پہلا بکس اُس نے کھولا، اُس کے اندر کباڑ بھرا تھا۔ اُس میں اُس کے گھر کا ٹوٹا پھوٹا پرانا سامان اور کوڑے کے ڈبے سے نکالا گیا کچرا رکھا ہوا تھا۔ اُس نے دوسرا بکس کھولا اور دیکھا کہ اُس میں بھی کباڑ تھا۔

اُس نے فوراً پیکرس اینڈ موورس کو فون کیا اور شکایت کرتے ہوئے بولی، ''تم لوگوں نے یہ کیا کیا ہے؟ ان بکسوں میں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہے۔ تم لوگ میرے پرانے گھر کا کباڑ اور کچرا میرے نئے گھر میں کیوں لے آئے؟''

سامنے سے جواب آیا، ''ہم نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ کون سی چیزیں نئے

گھر میں لے جانا چاہتی ہیں اور کون سی نہیں، لیکن آپ نے کہا کہ ہم سب کچھ نئے گھر میں پہنچا دیں، اس لیے ہم نے وہی کیا۔"

ہم لوگ بھی جب پرانے سال کو پیچھے چھوڑ کر نئے سال میں داخل ہوتے ہیں، تو ہمیں تھوڑا وقت لگا کر یہ سوچنا چاہیے کہ ہمیں کسے اپنانا ہے اور کسے چھوڑنا ہے۔ ہم خود سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم بے حد مصروف ہیں اور ہمیں اس بارے میں سوچنے کی فرصت نہیں ہے، تو چلو ہم اپنا کچرا اگلے سال میں بھی لے چلتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان چیزوں کو نکال پھینکیں جو ہماری زندگی میں کچرے کی مانند ہیں، بیکار ہیں یا ہمیں نقصان پہنچا رہی ہیں۔ ہمیں اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کو بھی اپنی زندگی سے نکال پھینکنا چاہیے۔ ہمیں ان کاموں سے بھی دُور ہو جانا چاہیے جنھیں ہم اچھی طرح نہیں کر پا رہے۔ ہر سال کی شروعات میں ہمارے پاس موقع ہوتا ہے، پرانے کو چھوڑنے کا اور نئے کو اپنانے کا۔ اس عمل میں ہمیں یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ ہم کن عادتوں کو بنائے رکھنا چاہتے ہیں اور کن عادتوں کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔

اپنے گھر کی صفائی کر کے ہم اُن چیزوں کو باہر نکال پاتے ہیں جو ہمارے لیے قابلِ استعمال اور فائدہ مند نہیں ہوتیں۔ ہم اپنی زندگی بھی اسی طریقے سے گزار سکتے ہیں کہ ہم وہی کریں جو ہمارے لیے فائدہ مند ہو۔ اگر ہم اپنے ساتھ بہت سا غیر ضروری سامان ڈھو رہے ہیں یا اُن چیزوں کی طرف دھیان دینے میں وقت ضائع کر رہے ہیں جو ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتیں، تو ہم ایسی زندگی نہیں گزار رہے، جو زندگی کے ہدف تک پہنچنے میں مددگار ہو۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ہمارے اندر ایک جدوجہد چلنے لگتی ہے، جس میں ایک طرف ہمارا ذہن باہری دُنیا میں مشغول رہنا چاہتا ہے، تو دوسری طرف ہماری رُوح اندرون میں خُدا کو اپنانا چاہتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک ایسے خاندان کی کہانی ہے جو ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں جا کر بستا رہتا تھا۔ اُس خاندان میں ایک بیٹی بھی تھی، جس کی عمر شادی کے لائق ہو چکی تھی۔ اُس لڑکی نے اپنی تعلیم پوری کر لی تھی۔ وہ گھروں میں صفائی کا کام کرنے لگی تھی اور وہ اپنے کام میں ماہر تھی۔

اُس گھر والوں نے اپنی بیٹی کے لیے مناسب شوہر تلاش کرنے کا کام شروع کر دیا۔ انھوں نے فرداً فرداً گاؤں کے سبھی کنوارے لڑکوں سے ملاقات کی، یہ طے کرنے کے لیے کہ ان سب میں سے اُن کی بیٹی کے لیے مناسب شوہر کون سا ہے۔ انھیں ایک نوجوان پسند آ گیا جس کا کوئلہ جلانے کا کاروبار تھا۔ وہ کوئلہ لوگوں کے گھروں میں آگ جلانے اور انھیں گرم رکھنے کے کام آتا تھا۔ لڑکی کے والدین نے سوچا کہ اُس لڑکے کا کام جما جمایا ہے اور اُسے اچھی آمدنی بھی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی وہ ایک رحم دل اور نرم خُو انسان بھی ہے۔ وہ ایک ذمہ دار لڑکا تھا اور پوری لگن اور محنت کے ساتھ اپنا کام کرتا تھا۔

لڑکی کے والدین نے اپنی بیٹی اور اُس نوجوان کی ملاقات کرائی، تاکہ وہ ایک دوسرے کو جان سکیں اور طے کر سکیں کہ وہ ایک دوسرے کے لیے مناسب ہیں یا نہیں۔ ملاقات اچھی رہی اور اُن دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ کھل کر بات چیت کی۔

اُن کی ملاقات کے بعد والدین نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ اُسے وہ نوجوان کیسا لگا؟

لڑکی نے جواب دیا، ''وہ ایک بہت اچھا نوجوان ہے۔''

یہ سن کر والدین خوش ہو گئے اور سوچنے لگے کہ انھیں اپنی بیٹی کے لیے مناسب شوہر مل گیا ہے۔

اُنھوں نے پوچھا، ''تو تم نے اُس سے شادی کرنے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

لڑکی نے کہا، ''مجھے لگتا ہے کہ وہ بہت اچھی عادت کا ہے اور اُس کا اپنا مستقل کاروبار بھی ہے، لیکن میں اُس سے شادی نہیں کر سکتی۔'' یہ سن کر اُس کے والدین کے چہروں پر مایوسی جھلکنے لگی۔ انھیں لگا کہ اگر اُن کی بیٹی نے شادی کے لیے ہاں کر دی ہوتی، تو والدین ہونے کے ناطے اُن کی ذمہ داری پوری ہو گئی ہوتی۔

انھوں نے اپنی بیٹی سے پوچھا، ''اگر وہ ایک اچھا انسان ہے اور اچھا کماتا بھی ہے، تو تم اُس سے شادی کیوں نہیں کر سکتی؟''

لڑکی نے کہا، ''جب ہم آپس میں گفتگو کر رہے تھے، تو ہم اپنے اپنے کام کے بارے میں بات کرنے لگے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں گھروں میں صفائی کرنے کا کام کرتی ہوں اور میں چاہتی ہوں کہ میرا اپنا گھر بھی ہمیشہ صاف ستھرا رہے۔ لیکن جہاں میں اتنی محنت

سے اپنے گھر کو صاف کیا کروں گی، وہیں وہ روز کوئلہ جلا کر میری ساری محنت کو خاک میں ملا دیا کرے گا، کیونکہ اُس سے گھر کی ہر چیز کے اوپر راکھ اور کالی دھول کی پرت جم جائے گی۔ اسی لیے میں اُس سے شادی نہیں کر سکتی، کیونکہ ہمارا رشتہ زیادہ دنوں تک ٹکے گا نہیں۔"

یہی مسئلہ ہمارے من اور ہماری رُوح کے درمیان ہے۔ یہ کہانی بتاتی ہے کہ ہر انسان کے اندر جب من اور رُوح کی شادی ہوتی ہے، تب کیا ہوتا ہے۔ ہمارا من اُس کوئلہ جلانے والے نوجوان کی طرح ہے جو ہر وقت ہمارے اندر کالکھ اور گندگی جمع کرتا رہتا ہے اور ہماری رُوح اُس صفائی کرنے والی لڑکی کی طرح ہے جو ہر وقت ہمیں اندرونی طور پر صاف ستھرا بنائے رکھنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ یہ جدوجہد ہر وقت ہمارے اندر چل رہی ہوتی ہے۔

ذرا سوچیئے، اگر وہ صفائی کرنے والی لڑکی اور کوئلہ جلانے والا لڑکا ایک ساتھ رہنے لگتے، تو اُن کی زندگی کیسی ہوتی۔ وہ لڑکی گھر کو صاف کرتی اور وہ لڑکا کوئلہ جلا کر اُسے گندا کر دیتا۔ وہ لڑکی دوبارہ کالکھ صاف کرتی اور وہ لڑکا پھر گھر کو گندا کر دیتا۔ اس طرح اُنھیں زندگی بھر ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی۔

اسی طرح کی جدوجہد ہم میں سے ہر ایک کے اندر روزانہ چل رہی ہوتی ہے۔ ہماری رُوح من سے پیدا شدہ گندگی کو صاف کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ لیکن جیسے ہی رُوح ہمارے خیالات، اقوال اور اعمال کی گندگی کو صاف کرتی ہے، ویسے ہی من اور زیادہ گندگی پیدا کر دیتا ہے۔

من کس طرح کی گندگی پیدا کرتا ہے؟ من اِن پانچ چوروں کی مدد سے ہمارے اندر کالکھ پیدا کرتا ہے ــ شہوت، غصہ، حرص، لالچ اور تکبّر ــ یہی پانچوں ہمارے خیالات، اقوال اور اعمال کو متاثر کرتے ہیں۔ جب ہم اندرون میں مراقبہ کے ذریعہ اپنے من کو صاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ان پانچ چوروں سے متعلق خیالات ہمارے ذہن کو متوجہ نہیں ہونے دیتے۔ کئی بار جب ہم مراقبہ کے دوران اپنے من کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو غصہ سے متعلق خیالات ہمارے دھیان کو بھٹکانے لگتے ہیں۔ ہم اپنے اندر ذہن کو مجتمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن جب ہمیں یاد آتا ہے کہ گھر میں یا کام

کرنے کی جگہ فلاں شخص نے ہم سے کیا کہا تھا، تو ہم غصّے میں آ جاتے ہیں۔ یہ غصّے سے بھرے ہوئے خیالات ہمارے من میں گھومتے رہتے ہیں اور ہم اندرونی ماورائی نور پر دھیان مرکوز کرنے کے بجائے، انہیں خیالات بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔

کئی بار جب ہم مراقبہ میں بیٹھتے ہیں، تو ہم اُن چیزوں کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں، جنھیں ہم پانا چاہتے ہیں اور جو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ اندرون میں خُدا کے نور پر ذہن کو مرکوز کرنے کے بجائے ہم یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہم بھی وہ سب کچھ کیسے پا سکتے ہیں، جو دوسروں کے پاس ہے۔ حرص ہمارے اُوپر قبضہ کر لیتی ہے اور ہم اپنے ذہن کو اندرون میں یکسو نہیں کر پاتے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب ہم مراقبہ میں بیٹھتے ہیں، تو ہمیں اُن لوگوں یا اشیا کا خیال آنے لگتا ہے جنھیں ہم پسند کرتے ہیں۔ ہمارا ذہن اپنی پسندیدہ چیزوں یا اپنے محبوب شخص کی طرف چلا جاتا ہے۔ جب ہمارا ذہن اپنی پسندیدہ اشیا یا محبوب رشتہ داروں کی طرف لگ جاتا ہے، تو ہم صحیح طریقے سے مراقبہ نہیں کر پاتے۔

مراقبہ کے دوران ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود ایسے خیالات آنے لگتے ہیں کہ ہم کتنے اچھے ہیں۔ اندرون میں ذہن کو یکسو کرنے کے بجائے ہم سوچنے لگتے ہیں کہ ہم دوسروں سے کتنے بہتر ہیں۔ ہم سوچنے لگتے ہیں کہ ہم دوسروں سے بہت خوبصورت ہیں، بہت عقلمند ہیں یا بہت طاقتور ہیں۔ اندرونی روشنی کی خوبصورتی کو دیکھنے کے بجائے، ہم اپنے آپ کے بارے میں سوچنے لگ جاتے ہیں۔ اتنی خوبصورت روشنی کو بنانے والے خُدا پر فریفتہ ہونے کے بجائے، ہم خود پر فریفتہ ہونے لگ جاتے ہیں۔

رُوح ذہن کے ان تمام خیالات سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ اندرون میں خُدا کی روشنی پر ذہن کو مرکوز کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن ہمارا من بہت طاقتور ہے۔ اسی لیے رُوح کو مدد کی ضرورت ہے۔ ہم اس مسئلہ سے کیسے نپٹ سکتے ہیں اور اپنی رُوح کو پاک صاف کیسے رکھ سکتے ہیں جبکہ من ہر وقت ہمیں پراگندہ کرتا جا رہا ہے۔ ہمیں ایک ایسے طریقے کی ضرورت ہے جس سے ہم اپنے من کو مستحکم کر سکیں اور کوئلہ جلانے سے پیدا شدہ کالکھ سے محفوظ رہ سکیں۔ اس طریقے کا استعمال کر کے ہم ایسی حالت میں پہنچ سکتے

ہیں جہاں ہم اپنے وجود کی پاکیزگی کے منسلک ہوسکیں۔ رُوحانیت میں ڈُوب کر ہی ہم اپنی رُوح کی بنیادی پاکیزہ حالت میں پہنچ سکتے ہیں۔ ہم ''رُوحانیت میں ڈُوبنا'' کو اپنی زندگی کا ہدف بنا سکتے ہیں۔ رُوحانیت میں ڈُبونے کا مطلب ہے رُوحانیت میں ڈُوب جانا، پوری طرح سے ایک رُوحانی زندگی گزارنا۔ اگر ہم رُوحانیت میں ڈُوبنے کو اپنی اوّلیت بنا لیں، تو ہم اپنی زندگی سے اُن تمام چیزوں کو دُور کر پائیں گے جو ہمیں ہدف تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔

یہ راہ مثبت رُوحانیت کی راہ ہے، جس میں ہم ایک معتدل زندگی گزارتے ہیں۔ ہم اپنی تعلیم، ملازمت یا کام کاج خاندان اور دوسروں کی مدد کرنا جیسے دُنیاوی فرائض کو پورا کرتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے رُوحانی پہلو کی ترقی کی جانب زیادہ وقت دیتے ہیں۔ اِس کا مطلب ہے باقاعدگی سے مراقبہ کرنا، اچھے اخلاق اپنانا اور دیگر رُوحانی اعمال کرنا جیسے کہ ست سنگ میں جانا اور بے غرض خدمت کرنا، تاکہ ہم رُوحانیت کی جانب بڑھ سکیں۔ اگر ہم اپنے وجود کے رُوحانی پہلو میں ڈوب جائیں گے، تو ہم اُن چیزوں کو اپنی زندگی سے نکال پھینکیں گے جو ہمیں رُوحانیت کی راہ پر آگے بڑھنے سے روکتی ہیں اور اپنی توجہ اُن چیزوں کی جانب لگائیں گے جو ہمیں ذاتی مشاہدہ اور حصولِ خُدا کی طرف لے جاتی ہیں۔

مُرشد ہمیں من کی گندگی کو صاف کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ اپنے آپ اگر ہم من کو مطمئن کرنا چاہیں، تو یہ بہت مشکل ہوگا۔ اپنے اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں طاقتور مُرشد کی طاقت کی مدد کی ضرورت ہے۔

مُرشد ہماری مدد کیسے کرتے ہیں؟

سب سے پہلے، وہ ہمیں پاکیزہ نام، لفظ یا خُدائی نور اور سماعت کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ جب ہم مراقبہ کرتے ہیں، تو ہم اندرون میں خُدا کے اِسی ماورائی نور اور سماعت پر ذہن مرکوز کرتے ہیں۔ اندرون میں دیکھتے وقت بھی ہمارا من کوئی نہ کوئی خیال بھیج کر ہماری یکسوئی کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی تدبیر کے لیے مُرشد ہمیں ریاض کرنا سکھاتے ہیں — نامدان کے وقت ست گورو سے ملے خُدا کے پانچ ناموں کا من ہی من وِرد کرنا۔ ان الفاظ میں ہمارے مُرشد کی رُوحانی توجہ شامل ہوتی ہے، اسی لیے اِن کا

رُوحانیت میں ڈوب جاؤ

وِردکرنے سے ہماری رُوح کوترقی حاصل ہوتی ہے اور وہ جسم وذہن کے دائرے سے اوپر اُٹھ کر شیو کی آنکھ، تیسرے تِل یا اندرونی آنکھ پر مرکوز ہوجاتی ہے اور خُدا کے نور کا دیدار کرپاتی ہے۔ من ہمیں شہوت، غصہ، لالچ، حرص یا تکبر سے بھرپور خیالات بھیجنا چاہتا ہے، لیکن خُدا کے پانچ ناموں کا مسلسل وِرد کرتے رہنے سے کوئی بھی خیال ہماری یکسوئی کو بھنگ نہیں کرپاتا۔ ریاض کرنے سے ہمارا من ان الفاظ کے وِرد میں لگ جاتا ہے اور پھر کوئی بھی خیال ہماری ذہن میں داخل نہیں ہو پاتا۔

خُدا کے پانچ ناموں کے وِرد کے ساتھ ساتھ ہمارے مُرشد کی ماورائی مہربانی بھی ہماری رُوح کوترقی عطا کرتی ہے۔ اُن کی توجہ ہمارے توجہ کوجسم، من اور باہری دُنیا سے ہٹا کرشیو کی آنکھ یا اندرونی آنکھ پر مرکوز کردیتی ہے۔

مُرشد جانتے ہیں کہ رُوح اور من کی شادی ایک چیلنج ہے، جس طرح اُس صفائی کرنے والی لڑکی اور کوئلہ جلانے والے لڑکے کی شادی اُن دونوں کے لیے ایک چیلنج بن جاتی ہے۔ لیکن رُوح اور من کو لگاتار لڑتے دینے کے بجائے ست گورو ہماری حفاظت کے لیے آجاتے ہیں۔ وہ ہمیں ضروری مدد فراہم کرتے ہیں تاکہ ہماری رُوح، اندرونی گھر کو صاف رکھ سکے اور من کے ذریعہ پیدا شدہ کالکھ کو قابو میں رکھ سکے۔

ہماری رُوح اور من کو ایک مُرشد کی ضرورت ہے، تاکہ وہ ایک ساتھ صحیح طریقے سے زندگی گزارنے لگ جائیں۔ اپنی مہربانی اور خُدا کے پانچ ناموں کا وِرد کرنے کے علاوہ، مُرشد ہمیں سکھاتے ہیں کہ ہم ایسی زندگی کیسے گزاریں جس میں ہمارا من، ہماری رُوح کی عظمت کو پہچان سکے۔ مُرشد ہمیں سکھاتے ہیں کہ ہم عدم تشدد، صداقت، پاکیزگی، نرم دلی اور بے غرض خدمت سے بھرپور زندگی گزاریں۔ ان سب سے ہمارا من پابند ہوتا ہے۔ ہم خود اپنے خیالات، اقوال اور اعمال کے تئیں باخبر رہ سکیں، اس کے لیے مُرشد ہمیں خود تجزیاتی ڈائری لکھنے کا مشورہ دیتے ہیں، تاکہ ہم اوپر دیئے گئے پانچوں اچھے اعمال کے میدان میں اپنی حیثیت کو خود پرکھ سکیں۔ اس ڈائری کا صحیح استعمال کرنے سے ہم آہستہ آہستہ من کے ذریعے پیدا شدہ شہوت، غصہ، لالچ، حرص اور تکبر کو قابو میں کرنا سیکھ جاتے ہیں۔

مُرشد ہمیں یہ بھی سمجھاتے ہیں کہ بے غرض خدمت کرنے سے ہم من کے بُرے اثرات سے نجات پا سکتے ہیں۔ جب ہم بغیر کسی انعام یا مادّی فائدے کے، بغیر کسی شہرت یا تعریف کی خواہش کے اور بغیر کسی تکبر کے خدمت کرتے ہیں، تو ہم اپنے من پر قابو حاصل کر لیتے ہیں اور ہماری رُوح پاکیزہ بنی رہتی ہے۔ جتنا وقت ہم بے غرض خدمت میں لگائیں گے، اُتنا ہی ہم اپنی رُوح کی مدد کریں گے۔

مراقبہ اور بے غرض خدمت کرنے اور خود تجزیاتی ڈائری لکھنے سے، ہم اپنی رُوح کو پاکیزہ رکھ سکتے ہیں۔ اس سے رُوح اور من کی کامیاب شادی ممکن ہے۔ ہمارا اندرونی گھر خُدا کے استقبال کے لیے صاف اور پاکیزہ بن جاتا ہے۔

آیئے، ہم رُوحانیت میں ڈُوب جائیں، تاکہ اپنی زندگی سے اُن تمام خیالات، اقوال اور اعمال کو دُور کر سکیں جو ہماری رُوح کو خُدا میں جذب ہونے سے روکتے ہیں۔

حصّہ—6

رُوحانی
تارا
بنو

باب–13

نسیمِ صبح

چھوڑ کر دِل کو نکل جاتی ہے کتراتی ہوئی
لو نسیمِ صبح نے بھی سیکھ لی رفتارِ دوست

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

خُدا عشق ہے، رُوح بھی خُدا کا جزو ہونے کی وجہ سے عشق ہے اور خُدا کے پاس واپس جانے کا راستہ بھی عشق کا ہے۔ عشق ہماری زندگی کی بنیاد ہے۔ اس شعر میں خُدا و متلاشی اور مُرشد شاگرد کے درمیان رُوحانی عشق کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ کس طرح عشق کے ذریعے مُرشد اپنے شاگرد کی رُوح کو تیزی اور مضبوطی سے پوری طرح عشق کی جانب کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے ہم اپنی حقیقی رُوحانی ہیئت کا احساس کر پاتے ہیں اور خُدا کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں۔

سنت درشن سنگھ جی مہاراج نے اپنی غزل کے اس شعر میں ''نسیمِ صبح'' یا صبح کی ہوا کی خوبصورت مثال استعمال کی ہے۔ عام طور پر رات میں ہوا چلنی بند ہو جاتی ہے۔ لیکن صبح ہوتے ہی ہلکی ہلکی ہوا چلنی شروع ہو جاتی ہے۔ اس شعر میں، وہ پرانے زمانے کا ایک منظر پیش کر رہے ہیں، جب گرم موسم میں لوگ اکثر رات کو گھر کے باہر سوتے تھے۔ اُس زمانے میں ایئر کنڈیشنر نہیں ہوتے تھے، اسی لیے زیادہ تر لوگ رات کو باہر سوتے تھے، کیونکہ گھر کے اندر بہت گرمی ہوتی تھی۔ اگر آپ رات کو گھر کے باہر سوئیں، تو آپ پائیں گے کہ عام طور پر ہوا رُکی ہوتی ہے۔ صبح جب ہلکی سی ہوا چل پڑتی ہے اور دھیرے سے

آپ کے چہرے کو سہلاتی ہے، تو آپ کو بہت اچھا لگتا ہے۔ پھر ہوا رُک جاتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہلکی ہوا پھر چلتی ہے، آپ کے چہرے کو سہلاتی ہے اور آپ کو پھر سے اچھا لگنے لگتا ہے۔ اُس کے بعد ہوا ایک بار پھر رُک جاتی ہے، پھر تھوڑی دیر میں دوبارہ چل پڑتی ہے اور آپ کے چہرے کو سہلاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہوا آپ کو چھیڑ رہی ہو۔ وہ آتی ہے، آپ کو ہلکا سا چھوتی ہے اور پھر چلی جاتی ہے۔ آپ پھر بیتابی سے اُس کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔ وہ دوبارہ آتی ہے، آپ کو تھوڑا اور سہلاتی ہے اور ایک بار پھر چلی جاتی ہے۔ اسی لیے یہاں صبح کی ہوا کی مثال پیش کی گئی ہے۔ یہ ہلکی ہوا آتی ہے اور آپ کو سہلاتی ہے، رُک جاتی ہے، پھر آ کر آپ کو چھوتی ہے اور ایک بار پھر رُک جاتی ہے۔ سنت درشن سنگھ جی صبح کی ہوا کی مثال پیش کر کے ہمیں اُس عشق کے بارے میں سمجھا رہے ہیں جو مُرشد کے اندر اپنے شاگردوں کے لیے ہوتی ہے اور یہ بتا رہے ہیں کہ کس طرح مُرشد اپنے پیار بھرے طریقوں سے ہمارے اندر خُدا کو پانے اور ماورائی عشق کو محسوس کرنے کی تڑپ پیدا کرتے ہیں۔

صوفی شاعری فطرت سے زیادہ رُومانی ہوتی ہے۔ ایک صوفی شاعر ہونے کی وجہ سے سنت درشن سنگھ جی بھی رُوحانیت کے راستے کو سمجھانے کے لیے عشق کی علامات کی مدد لے رہے ہیں۔ جس طرح پہلے مذکور ایک شعر میں اُنھوں نے مئے خانے کی مثال پیش کی تھی، کیونکہ اُس کے ذریعے وہ لوگوں کو رُوح اور خُدا کے درمیان رشتے کے بارے میں سمجھانا چاہتے تھے، اُسی طرح یہاں استعمال کی گئی صبح کی ہوا کی مثال بھی رُوحانی راستے کے ایک دوسرے پہلو کو سمجھا رہی ہے۔ یہ تشبیہ مُرشد اور شاگرد کے رشتے کے اُن پہلوؤں کو اُجاگر کرنے میں مدد کرتی ہے جنھیں عام طور پر بیان کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس شعر میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ مُرشد اپنے شاگرد کو خُدا سے لو لگانے کے لیے عشق کے کون کون سے طریقے استعمال کرتے ہیں۔

سنت درشن سنگھ جی فرمایا کرتے تھے کہ عشق پہلے مُرشد کے دِل میں پیدا ہوتا ہے۔ مُرشد چاہتے ہیں کہ ہماری رُوح واپس جا کر خُدا میں جذب ہو جائے، اسی لیے وہ ہمارے دِل اور رُوح کے اندر ایک تڑپ پیدا کرتے ہیں۔ وہ عشق پہلے مُرشد کی جانب سے ہماری

طرف آتا ہے اور اُس کے بعد اُن کے عشق کے ردِّعمل میں ہمارے اندر بھی عشق پیدا ہوجاتا ہے۔

اس شعر میں وہ سمجھا رہے ہیں کہ مُرشد کس طرح ہمارے ساتھ عشق کا کھیل کھیلنا شروع کرتے ہیں۔ صبح کی ہوا کی چھیڑ خانی کی مثال پیش کر کے ہمارے محبوب کے ذریعے کی جارہی چھیڑ خانی کو بیان کیا گیا ہے۔ کئی بار دُنیاوی محبوب ہمیں چھیڑ کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اس سے عاشق بے چین ہوجاتا ہے اور معشوق کو حاصل کرنے کے لیے اور تڑپنے لگتا ہے۔ لیکن مُرشد ہمارے ساتھ عشق کا یہ کھیل کیوں کھیلتے ہیں؟ ہمیں اُن کی تھوڑی سی توجہ (attention) ملتی ہے، پھر لگتا ہے جیسے اُن کی توجہ ہماری طرف سے ہٹ گئی ہے۔ تب ہم سوچنے لگتے ہیں، ''اُنھوں نے میری جانب توجہ دینا بند کیوں کر دیا ہے؟ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ ہوسکتا ہے میرے مراقبہ کرنے یا خود تجزیاتی ڈائری لکھنے کی وجہ سے ایسا ہوا ہوا؟'' اس سے ہمیں مدد حاصل ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم سوچیں، ''میں ست سنگ میں تھا اور مُرشد نے میرے سوا سب کی جانب دیکھا۔ کیوں؟ اُنھوں نے یہاں دیکھا، وہاں دیکھا، اُنھوں نے اِس شخص کو دُعا دی، اُس شخص کو دُعا دی، لیکن جب وہ میرے پاس آئے، تو اُنھوں نے میری طرف دیکھا تک نہیں!'' ایسے میں ہم سوچنے لگتے ہیں، ''مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟'' اور اس طرح ہم خود کی اصلاح کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح، مُرشد ہمارے اندر رُوحانی تڑپ پیدا کرتے ہیں۔ اسی بات کو سمجھانے کے لیے سنت درشن سنگھ جی نے صبح کی ہوا کی مثال پیش کی ہے۔ وہ اسے رُوحانیت کے راستے کے ایک نئے پہلو کی شکل میں سمجھا رہے ہیں۔ اگر ہم اس بات کو سمجھ لیں، تو ہم یہ بھی سمجھ جائیں گے کہ جب ہم ایسی حالت میں ہوں تو وہ ہماری آپسی بہتری کے لیے ہوتی ہے۔ ایک سچا شاگرد جانتا ہے کہ مُرشد ہر کسی سے عام طرح سے عشق کرتے ہیں۔ ایک سچّا شاگرد اپنے اندر جھانک کر دیکھتا ہے۔ وہ سوچتا ہے، ''ٹھیک ہے، میں اپنے اندر بہتری کیسے لاسکتا ہوں؟'' ایسے خیال اکثر ہمیں مسلسل مراقبہ اور خود کا تجزیہ کرنے کے لیے ترغیب دیتے ہیں، تاکہ ہم اچھے اخلاق سے بھرپور انسان بن سکیں اور رُوحانیت کے راستے پر تیزی سے ترقی کرسکیں۔

رُوحانی تارا بنو

سنت درشن سنگھ جی اس شعر میں وہ مثال پیش کر کے رُوحانیت کے راستے کے ایک الگ پہلو کے بارے میں سمجھا رہے ہیں۔ رُوحانیت عشق ہے، کیونکہ خُدا عشق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عشق کی راہ ہمارے سامنے کئی الگ الگ طریقوں سے کھلتی چلی جاتی ہے۔ جب ہم عظیم شخصیات کی تخلیقات پڑھتے ہیں، تو ہمیں اُس غیر مرئی عشق کی جھلک ملتی جاتی ہے۔

زمانۂ قدیم سے مختلف شخصیات کی تخلیقات میں ہمیں اُس لطف عظیم کا تذکرہ ملتا ہے جو ہمیں اندرونی سفر میں اپنے محبوب سے ملانے پر محسوس ہوتا ہے۔ اس بارے میں ماضی میں ایک عظیم خاتون بزرگ رابعہ بصری کی زندگی کا ایک واقعہ ملتا ہے۔ موسم بہار آ چکا تھا اور ہر طرف خوبصورت پھول کھلے ہوئے تھے۔ ماحول میں ہلکی ہلکی تازہ ہوا چل رہی تھی۔ بچے پورے جوش اور خوشی کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ لیکن رابعہ دِن بھر اپنے گھر کے اندر مراقبہ میں بیٹھی رہیں۔ اُن کی ایک سہیلی نے دیکھا کہ رابعہ پورے دن گھر سے باہر نہیں نکلیں۔

''او رابعہ''، اُس نے پکارا، ''آج باہر کتنا اچھا موسم ہے! تم بھی باہر آ کر خُدا کی بنائی ہوئی اس خوبصورت کائنات سے لطف اندوز کیوں نہیں ہوتیں؟''

رابعہ نے جواب دیا، ''بہتر ہوگا کہ تم بھی اندر آ کر میرے ساتھ مراقبہ کرو اور خود خالقِ کائنات کا دیدار کرو۔ جب میں گھر کے اندر ہوتی ہوں، تو میں مراقبہ کرتی ہوں اور اندرونی حلقوں میں جا کر وہاں کے خوبصورت نظاروں سے لطف اندوز ہوتی ہوں۔ جو ماورائی عشق مجھے اندرون میں محسوس ہوتا ہے، اُس کے مقابلہ میں اس مادّی دُنیا کے کسی بھی عشق یا خوبصورتی کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ جب میں مراقبہ کرتی ہوں، تو مجھے اندرون میں خُدا کی ماورائی روشنی کا احساس ہوتا ہے، جو اِتنا پُرکشش ہے کہ میں اپنی آنکھیں کھول کر باہر دُنیا کو دیکھنے کی بات سوچ بھی نہیں سکتی۔''

جیسے جیسے ہم اندرونی حلقوں میں ترقی کرتے ہیں، ہمیں خُدا کے ناقابلِ بیان عشق کا احساس ہوتا ہے۔ جب ہم مادّی حلقے یعنی جسم سے اُوپر اُٹھ دقیق حلقے یعنی نطفہ میں داخل ہوتے ہیں، تو ہماری خواہشات کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ ہمارے اندر جو بھی خواہش پیدا ہوتی ہے، وہ نطفہ میں پوری ہو جاتی ہے۔ جب ہم دقیق حلقہ سے اُوپر اُٹھ کر حلقۂ اسباب یعنی کائنات میں پہنچتے ہیں، جہاں خواہشات کی حکومت ہے، تو ہمارے تمام خیالات کی تکمیل

ہو جاتی ہے۔ جب ہم ان تمام حلقوں کو پار کر کے کائنات کے حلقے اور اُس کے بعد 'سچ کھنڈ' کے مکمل رُوحانی حلقہ میں پہنچتے ہیں، تبھی ہم اپنے من کی حدود سے اُوپر اُٹھ کر پاکیزہ رُوح کے علاقے میں پہنچتے ہیں، اس رُوحانی سفر کے دوران آہستہ آہستہ ہماری رُوح پر پڑی من، مایا اور بھرم کی پرتیں اُترتی چلی جاتی ہیں۔ اندرونی حلقوں میں ہماری ترقی کے ساتھ یہ پردے ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ اگر ہم سوچتے ہیں کہ صرف اچھے اخلاق سے بھری زندگی گزارنے سے ہم اپنے رُوحانی مقصد تک پہنچ جائیں گے، تو یہ ممکن نہیں ہے۔ سنت کرپال سنگھ جی واضح طور پر فرمایا کرتے تھے، ''اچھے اخلاق سے بھری زندگی رُوحانیت کا پہلا زینہ ہے۔'' وہ صرف پہلا زینہ ہے۔ اچھا انسان ہونا بہت اہم ہے، لیکن اگر ہم صرف اچھے اخلاق سے بھرپور زندگی گزارتے رہے اور مراقبہ نہیں کیا، تو ہم جسمانی احساس سے اُوپر اُٹھ کر خُدا کے پاس نہیں پہنچ پائیں گے۔ بااخلاق ہونا بہت اچھا ہے۔ ہمیں اس بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہمارے پاس یہ بنیاد نہ ہو، تو ہم اپنے ہدف کو حاصل نہیں کر سکیں گے، لیکن اس کے ساتھ ہی، ہمیں اگلا قدم اُٹھا کر اپنے اندرون میں ذہن مرکوز بھی کرنا ہے۔ صرف اچھے اخلاق سے بھرپور ہونا ہمارا آخری ہدف نہیں ہے، وہ صرف رُوحانیت کے راستے کے ایک موڑ کی مانند ہے، جس کے بعد ہم رُوحانیت کے پہاڑ جیسے سفر پر چڑھنے کی شروعات کرتے ہیں۔ اُس موڑ کو پار کرنے کے بعد ہمیں کئی اور اُنچائیاں چڑھنی ہوتی ہیں۔

رُوحانی راستے کی پہلی منزل ہے ماورائی عشق یعنی وہ عشق جو خُدا اور مُرشد ہم میں سے ہر ایک سے کرتے ہیں۔ اس شعر میں سنت درشن سنگھ جی ہمیں اُن ماورائی عشق کی خصوصیات کے بارے میں بتا رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں کہ کس طرح یہ ماورائی عشق ہمارے مکمل وجود میں سما جاتا ہے۔ وہ ہمیں سمجھا رہے ہیں کہ مُرشد کے پاس ہمیں صحیح راستے پر لانے کے کئی طریقے ہیں اور جو کچھ بھی ہمارے لیے بہتر ہوتا ہے، وہی ہماری زندگی میں واقع ہوتا ہے۔ ایک مُرشدِ کامل کئی طریقوں سے ہمیں خُدا کی طرف کھینچ سکتے ہیں۔ وہ ہر شاگرد کے لیے وہی طریقہ استعمال کرتے ہیں جو اُس کے لیے مناسب اور آسان ہوتا ہے، تاکہ ہر شاگرد خُدا کے عشق کا احساس کر سکے۔ صبح کی ہوا کی یہ خصوصیت مُرشد یا محبوب سے کیا تعلق رکھتی ہے؟ اس مثال کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ مُرشد ہم پر تھوڑی مہربانی کرتے

ہیں، پھر اُسے روک لیتے ہیں۔ اس سے شاگرد کے اندر تڑپ بڑھ جاتی ہے، وہ اور مہربانی پانا چاہتا ہے۔ مُرشد ہمیں تھوڑی رُوحانی ترقی عطا کرتے ہیں، پھر اُسے روک لیتے ہیں۔ یہ ترقی ہماری جانب ایک ترچھی یا لمحہ بھر کی نظر کی شکل میں آسکتی ہے، جس سے ہم گہری نظر پانے کے لیے تڑپنے لگتے ہیں۔ یا یہ ترقی اندرون میں مُرشد کی نوری ہیئت کی ہلکی سی جھلک کی شکل میں آسکتی ہے، جو ہمیں کچھ لمحوں کے لیے دِکھائی دیتی ہے، پھر معدوم ہو جاتی ہے، جس سے ہمارے اندر اس احساس کو پانے کی تڑپ بڑھ جاتی ہے۔ یا یہ ترقی ہماری جانب اندرونی روشنی کی جھلک کی شکل میں آسکتی ہے، جو آتی ہے، پھر چلی جاتی ہے۔ ایک شاگرد کی حالت اکثر ایک پیاسے انسان کی طرح ہو جاتی ہے۔ جتنا زیادہ وہ پیتا ہے، اُتنا ہی اُس کے اندر پینے کی خواہش بڑھتی جاتی ہے۔ اس طرح شاگرد کبھی سیراب نہیں ہوتا۔ جب شاگرد کے اندر اور زیادہ پانے کی تڑپ بیدار ہوتی ہے، تو وہ مراقبہ میں زیادہ سے زیادہ وقت دے کر اندرونی حلقوں کا سفر پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مُرشد کئی بار ہمارے ساتھ giving & withholding (دینا، پھر روک لینا) کا کھیل کھیلتے ہیں، تاکہ ہمارے اندر وہ شدید تڑپ اور گہری پیاس پیدا ہو جائے، جو ہمیں رُوحانیت کے راستے پر جلد سے جلد ترقی کرنے کے لیے ترغیب دے سکے۔

مُرشد اور شاگرد کے درمیان رشتہ منجمد نہیں ہوتا۔ وہ ہر لمحہ تبدیل ہوتا رہتا ہے، ہمیشہ نیا اور تازہ بنا رہتا ہے۔ یہ رشتہ اعتماد کا ہوتا ہے۔ اس میں شاگرد اپنے مُرشد پر پورا بھروسہ کرتا ہے کہ مُرشد ہر طرح سے اُس کی حفاظت کریں گے اور ہمیشہ وہی کریں گے جس میں اُس کی بھلائی اور بہتری ہوگی۔ یہ سمجھ میں آجانے پر شاگرد صبح کی ہوا کی شرارت کی اہمیت سمجھ جاتا ہے۔ اُسے اعتماد ہو جاتا ہے کہ مُرشد اُس سے عشق کرتے ہیں اور اس کی رُوح کو رُوحِ عظیم سے ملانے میں مدد کر رہے ہیں۔

باب–14

تصوّر کی کرم فرمائیاں

کیا کہیں 'درشن' تصوّر کی کرم فرمائیاں
بند کیں آنکھیں، نظر آنے لگے انوارِ دوست

—سنت درشن سنگھ جی مہاراج

اس شعر میں سنت درشن سنگھ جی مہاراج مراقبہ کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ یہ شعر مُرشد کے کرم کا ذکر کر رہا ہے اور سمجھا رہا ہے کہ ہمیں اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی چاہیے اور نتیجے کے بارے میں فکر نہیں کرنی چاہیے۔ ایسا کرنے سے نتیجہ خود بخود ہمارے سامنے آ جائے گا۔ سبھی شاگرد اندرون میں مُرشد کی نوری ہیئت تک پہنچنا چاہتے ہیں تاکہ انھیں اندرونی سفر میں مُرشد کی رہنمائی حاصل ہو سکے، لیکن ہو سکتا ہے کہ ہم ابھی تک وہاں پہنچے نہ ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی ہمیں اندرون میں مختلف رنگوں کی روشنیاں دِکھائی دے رہی ہوں یا ہم اندرونی آسمان، ستارے، چاند یا سورج تک پہنچ چکے ہوں۔ یہ سبھی خُدا کی نورانی روشنی کے عکس ہیں۔ لیکن مُرشد کی نوری ہیئت تک پہنچنے کے لیے ہمیں اِن سب سے آگے جانا ہوگا اور اُس کے بعد ہی ہم اعلیٰ رُوحانی حلقوں کو عبور کر سکیں گے۔ یہ رُوحانی سفر وقت سے ماورا ہوتا ہے۔ ہم اپنے ہدف تک چند مہینوں میں پہنچ سکتے ہیں یا کچھ سالوں میں، یا ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ہدف تک ایک سیکنڈ میں پہنچ جائیں۔ ایک بار کسی نے حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج سے پوچھا کہ سچ کھنڈ جانے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ اُنھوں نے اپنی آنکھیں بند کیں اور فوراً کھول دیں، اور فرمایا، ''میں وہاں ہو آیا۔'' اسی لیے وہاں تک پہنچنے میں

وقت کا کوئی کردار نہیں ہے، سوال ہے صرف ہماری توجہ کا۔ سنت درشن سنگھ جی اِس شعر میں کہہ رہے ہیں، ''کیا کہیں درشن تصور کی کرم فرمائیاں'' یہ مصرع بتا رہا ہے کہ اُنھوں نے اپنی آنکھیں بند کیں اور مُرشد کی نوری ہیئت ظاہر ہوگئی۔ ہم میں سے ہر ایک اس حالت میں پہنچ سکتا ہے۔

باقاعدگی سے مراقبہ کرنے کے ساتھ ساتھ خُدا تک پہنچنے کا ایک اور زینہ ہے نیک زندگی گزارنا۔ اس کے لیے ہمیں خود تجزیاتی ڈائری دی گئی ہے، جو ایک ایسا وسیلہ، جس کے ذریعے ہم اپنی خامیوں کو پہچان کر اُنھیں دُور کر سکتے ہیں۔ جب ہم روزانہ دِن کے آخر میں یہ ڈائری لکھتے ہیں اور پوری سچائی کے ساتھ لکھتے ہیں، تو ہم خود دیکھ پاتے ہیں کہ ہمارے اندر کون کون سی خامیاں ہیں۔ سنت کرپال سنگھ جی فرمایا کرتے تھے، ''ایک وقت میں ڈائری کے ایک حصّے پر توجہ دیں۔ ڈائری کا ایک کالم لے لیں اور اُس حصّے میں اپنی غلطیوں یا خامیوں کو پوری طرح سے دُور کریں۔ جب آپ اُس حصّے میں پختگی حاصل کر لیں، پھر دوسرے حصّے پر کام شروع کریں اور اُس کے بعد اگلے حصّے پر، پھر اگلے حصّے پر، پھر اگلے حصّے پر۔'' اس طرح آہستہ آہستہ ہم اپنی ساری خامیوں کو دُور کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی رُوحانیت کے سفر پر جانے کے لیے ہم اخلاقِ حسنہ کی بنیاد بھی بنا پاتے ہیں۔ اخلاقِ حسنہ کی بنیاد وہ پہلا قدم ہے جو اندرونی حلقوں میں جانے کے لیے ضروری ہے۔

اپنے اندر اخلاقِ حسنہ کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ ہمیں روزانہ وقت نکال کر مراقبہ بھی ضرور کرنا چاہیے۔ مُرشد سمجھاتے ہیں کہ ہمیں دن کا دس فیصد وقت مراقبہ میں دینا چاہیے، چوبیس گھنٹے میں سے دسواں حصہ ڈھائی گھنٹے کے قریب ہوتا ہے۔ ہمارا فرض ہے پوری لگن سے اندرون میں خُدا سے اتصال کی کوشش کرنا۔ سنت کرپال سنگھ جی فرماتے تھے کہ جب تک ہم اُس حالت میں نہیں پہنچ جاتے، تب تک ہم آزمائشی دَور یا probation پر ہیں۔ ابھی ہم ابتدائی درجے میں ہیں، ہمیں ترقی کر کے اعلیٰ درجوں میں جانا ہے۔ ایک استاد مہربانی کر کے طالب علم کو اعلیٰ درجے میں بھیج سکتا ہے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ طالب علم خود بھی اُوپر اُٹھنے کے لیے محنت کرے۔ استاد کے پاس یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی مہربانی اور رحم دلی سے طالب علم کو کامیاب کر کے اگلے درجے میں بھیج دے، لیکن اگر طالب علم نے

چھوٹے درجے میں اپنا سبق ٹھیک سے یادنہیں کیا ہے اور اُس کی مناسب ترقی نہیں ہوئی ہے، تو اُسے اعلیٰ درجے میں زیادہ جدوجہد کرنی پڑے گی۔ اسی لیے استاد بھی طالب علم کے ساتھ محنت کرتا ہے، اُس کی مدد کرتا ہے، تا کہ اُس کی مکمل ترقی ہو سکے اور وہ اگلے درجے میں جانے کے لائق بن سکے۔ یہاں مہربانی اور کوشش کی آمیزش کام کرتی ہے۔ اسی طرح مُرشد کے پاس یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ سبھی رُوحوں کو سچ کھنڈ واپس لے جائیں، لیکن وہ تب تک ایسا نہیں کرتے جب تک ہم تیار نہیں ہو جاتے۔ تیار ہونے کا مطلب ہے کہ ہم اپنے مراقبہ میں پختہ ہو جائیں اور اتنے پاک صاف ہو جائیں جتنی پاکیزہ رُوحانی حلقوں میں داخلہ کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر، اندرونی حلقے دقیق ہوتے ہیں۔ نطفہ کے دوران ہمارے اندر پیدا ہونے والے سارے خیالات سچائی میں بدل جانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اگر ہم اندرونی حلقوں میں داخل ہوتے وقت غصہ یا نفرت میں ڈوبے رہے، تو اُن خیالات کی طاقت ناقابلِ بیان نقصان پہنچا سکتی ہے۔ حلقۂ اسباب میں من کی بادشاہت ہوتی ہے۔ یہاں جو کچھ بھی ہمارا من چاہتا ہے، وہ سچائی میں بدل سکتا ہے۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ ایسی جگہ اگر ایک بے قابو پہنچ جائے، تو وہ کتنا زیادہ تشدد اور تباہی برپا کر سکتا ہے۔ جب ہم اور اُوپر اُٹھتے ہیں، تو ہم مکمل رُوحانی حلقوں میں پہنچ جاتے ہیں جہاں من کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ یہ محبت، تشدد، سچائی اور رحم دلی سے بھرپور نرم دل حلقے ہیں۔ نفرت، تشدد، جھوٹ اور ظلم کی گندگی کا ایک چھوٹا ذرّہ بھی ایسے حلقوں میں داخل نہیں کر سکتا۔ ہم ان حلقوں میں تب تک نہیں جا سکتے، جب تک ہم بھی ان کے جیسے رحم دل اور پاکیزہ نہیں ہو جاتے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان اُونچے رُوحانی حلقوں میں پہنچنے کے لیے ہمیں بہت محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

رُوحانی حلقوں کے سفر پر جانے کے لیے ضرورت ہے مکمل یکسوئی کی۔ جب تک ہمارا مراقبہ پختہ نہیں ہوگا اور ہمارے اندر اُٹھنے والے خیالات سے ہمارا ذہن بھٹکتا رہے گا، تب تک ہم اپنے ذہن کو لمبے عرصے تک اندرونی دُنیا کی جانب کیسے موڑ سکیں گے؟ جیسے ہی ہم اوپر اُٹھنا شروع کریں گے، ویسے ہی اچانک کوئی خیال ہمارے ذہن کو واپس نیچے کھینچنے لگا۔ یہاں تک کہ یہ خیال آنا، ''اوہ، میں جسم سے اوپر اُٹھ رہا ہوں'' ہمارے

ذہن کو واپس جسم میں لے آتا ہے۔ اس لیے جب تک ہم اپنے من اور خیالات کے قابو میں رہیں گے، تب تک ہم اندرونی راستے پر زیادہ ترقی نہیں کر پائیں گے، کیونکہ ہمارے خیال ہمیں اندرونی روشنی اور سماعت پر لمبے عرصے تک یکسو نہیں ہونے دیں گے۔ مراقبہ پختہ ہو جانے کا مطلب ہے کہ ہمارا جسم اور من پوری طرح سے مستحکم ہو جائیں اور ہمارے اندر خیال اُٹھنے بند ہو جائیں۔ ہم میں سے کتنے لوگ پانچ منٹ کے لیے بھی ایسا کر پاتے ہیں؟ مرشد سمجھاتے ہیں کہ ہمیں روزانہ مراقبہ ضرور کرنا چاہیے۔ جتنا زیادہ وقت ہم صحیح طریقے سے مراقبہ کریں گے، اُتنی ہماری یکسوئی بڑھتی جائے گی، ہمارا ذہن اندرونی روشنی و آواز پر ٹکنے لگے گا۔ ہم آہستہ آہستہ مرشد کی نوری ہیئت تک پہنچ جائیں گے اور مختلف رُوحانی نظاروں کا لطف لے سکیں گے۔ مرشد چاہیں تو اپنی مہربانی سے ہمیں اچانک اوپر کھینچ سکتے ہیں، لیکن ہماری یکسوئی ابھی اتنی پختہ نہیں ہے کہ ہم وہاں تھوڑی دیر کے لیے بھی ٹھہر سکیں گے۔ اسی لیے مُرشد ہمیں ترغیب دیتے ہیں کہ ہم روزانہ باقاعدگی سے ذہن مرکوز کریں، تاکہ وہ ہمیں پُرکشش رُوحانی حلقوں کے سفر پر لے جاسکیں اور آخرکار خُدا کے پاس واپس پہنچا دیں۔

ہر استاد یہی چاہتا ہے کہ اُس کے سبھی شاگرد کامیاب ہوں۔ کوئی استاد یہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی بھی طالب علم ناکام ہو جائے یا گھریلو کام پورا نہ کرے یا کلاس میں نہ آئے۔ اسی طرح مرشد بھی چاہتے ہیں کہ ان کے سبھی شاگرد وہاں تک پہنچیں، جہاں تک وہ خود پہنچے ہیں۔ وہ ہر ممکن طریقے سے ہماری مدد کرتے ہیں، لیکن وہ ہمیں گھریلو کام اور پڑھائی کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔ وہ ہم پر ست سنگ میں آنے کے لیے، اپنی خامیوں کو دُور کرنے کے لیے، اپنا تجزیہ کرنے کے لیے، بے غرض خدمت کرنے کے لیے اور مراقبہ کرنے کے لیے دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ وہ ہمیں راستہ ضرور دِکھا سکتے ہیں، لیکن اُس راستے پر ہمیں خود چلنا ہے۔ اگر ہم اس راستے پر آگے بڑھنا چاہتے ہیں، تو ہمیں پورے جوش اور لگن کے ساتھ اپنے رُوحانی اعمال پورے کرنے ہوں گے۔

رُوحانی راستے پر آگے بڑھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم باقاعدگی سے مراقبہ کریں اور اچھے اعمال سے بھرپور زندگی گزاریں۔ اپنے ہدف پر ذہن مرکوز رکھنا مشکل

ضرور ہے، خاص طور پر اُن دُنیاوی چیلنجوں کے ہوتے ہوئے، جو ہر وقت ہمارے ذہن کو بھٹکانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ ہر لمحہ کوئی نہ کوئی رُکاوٹ ہمیں رُوحانی راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتی ہے۔ کئی طرح کے لالچ اور لذت ہمیں مراقبہ کرنے اور اخلاقی زندگی گزارنے سے روکتے ہیں۔ لیکن ہمارا کام ہے کوشش کرتے رہنا، چاہے ہمارے راستے میں کتنی ہی رُکاوٹیں ہوں۔

اس سلسلے میں، پرانے زمانے کے ایک راجہ کی کہانی بتائی جاتی ہے۔ وہ دوسری ریاستوں پر بھی قبضہ کر کے پوری دُنیا کو جیت لینا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک بہت طاقتور فوج بنائی تھی اور وہ ایک کے بعد ایک ریاستوں کو جیتتا جا رہا تھا۔ کئی جنگوں میں فتح حاصل کرنے کے بعد، اُس راجہ کو ایک ایسا تجربہ ہوا جس کے بارے میں اُس نے سوچا نہیں تھا، وہ ایک جنگ میں ہار گیا۔ اُس کے سارے فوجی قید کر لیے گئے یا مار ڈالے گئے۔ جو فوجی بچے تھے، وہ اپنی جان بچانے کے لیے میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ راجہ کے پاس اپنی حفاظت کے لیے بھی کوئی فوجی نہیں بچا تھا، اس لیے وہ اپنی جان بچانے کے لیے جنگل میں بھاگ گیا۔

راجہ جنگل میں چھپ کر رہنے لگا، وہ صرف رات کے وقت باہر نکلتا تھا تاکہ کوئی اُسے دیکھ نہ لے۔ وہ جانتا تھا کہ فاتح فوج اُسے ضرور ڈھونڈ رہی ہوگی، اسی لیے وہ دِن میں چھپ کر رہتا اور رات کو اندھیرے میں سفر کرتا۔ اُسے خود کی دیکھ ریکھ کرنے کی عادت نہیں تھی، کیونکہ وہ ہمیشہ خادموں کے درمیان رہا تھا۔ اب اُسے اپنی غذا خود تلاش کرنی پڑتی تھی اور رات کو جنگل میں سونے کی ایسی جگہ ڈھونڈنی پڑتی تھی جہاں کوئی اُسے دیکھ نہ سکے۔

ایک دن جب وہ ایک درخت کے نیچے آرام کر رہا تھا، اُسے اپنی حالت پر افسوس ہونے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ جنگل سے باہر نکل کر آبادی میں نہیں جا سکتا، کیونکہ دشمن فوج اُسے قیدی بنا لے گی یا مار ڈالے گی۔ اُسے اس مصیبت سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں سوجھ رہا تھا اور آہستہ آہستہ وہ ہمّت ہارنے لگا تھا۔ وہ گزشتہ بیس دِنوں سے بھٹکتا پھر رہا تھا اور اُسے اس مصیبت سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ دِکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہی بہتر ہوگا کہ وہ گرفتار کر لیا جائے، کیونکہ جنگل میں جدوجہد کرتے ہوئے تنہا جینا انتہائی کٹھن

ہو رہا تھا۔

جب وہ درخت کے نیچے لیٹا ہوا تھا اور مایوس ہو کر خودکشی کے بارے میں سوچ رہا تھا، اُس کی نظر پیڑ پر چڑھ رہے ایک چھوٹے سے کیڑے پر پڑی۔ غور سے دیکھنے پر اُس نے پایا کہ وہ ایک چینٹا تھا۔ وہ چینٹا اناج کا ایک دانا اُٹھائے ہوئے چل رہا تھا جو لگ بھگ اُس کے جتنا بڑا تھا۔ وہ اُس دانے کو اُٹھا کر درخت پر چڑھنے کی بہت کوشش کر رہا تھا۔ راجہ نے دیکھا کہ درخت کے تنے میں کچھ اُوپر ایک سوراخ تھا، جہاں اناج کے کئی اور دانے رکھے ہوئے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ چینٹا اناج کے اِن بڑے بڑے دانوں کو تنے کے اُوپر لے جا کر اُس سوراخ میں جمع کر رہا ہے۔

راجہ بڑے غور سے اُس چینٹے کو دیکھتا رہا۔ وہ سمجھ گیا کہ آنے والی سردی کی تیاری میں چینٹا اُس سوراخ میں اناج کے دانے جمع کر رہا ہے۔

جب چینٹا سوراخ سے تھوڑا دُور تھا، وہ اچانک درخت سے نیچے گر پڑا اور اناج کا دانا بھی اُس کے ساتھ نیچے گر گیا۔

راجہ اُس چھوٹے سے چینٹے کی ہمّت پر متعجب ہو گیا جو اپنے جسم کے برابر وزن اُٹھا کر درخت پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گرنے کے بعد بھی چینٹے نے اناج کا دانا دوبارہ اُٹھایا اور اُسے لے کر پھر سے درخت پر چڑھنے لگا۔ وہ تھوڑا اُوپر پہنچا اور ایک بار پھر زمین پر گر پڑا۔

ہار نہ مانتے ہوئے چینٹے نے اناج کا دانہ پھر سے اُٹھایا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ جب بھی وہ تنے کے کسی کھردرے حصّے پر پہنچتا تھا، وہ نیچے گر جاتا تھا۔ لیکن چینٹا ہمّت نہیں ہارتا تھا۔ وہ بار بار اناج کے دانے کو پیڑ میں بنے سوراخ تک لے جانے کی کوشش کر رہا تھا، جہاں وہ اپنے لیے غذا جمع کر رہا تھا۔

راجہ گھنٹوں تک چینٹے کو بار بار درخت پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ چینٹا اناج کے دانے کو لے کر درخت پر پانچ بار، دس بار، پندرہ بار، بیس بار بھی چڑھا، لیکن ہر بار وہ زمین پر گر جاتا تھا۔ لیکن ہر بار نیچے گر جانے کے بعد بھی وہ ہمّت نہیں ہارتا تھا۔ وہ ہر بار مختلف راستے سے اُوپر چڑھنے کی کوشش کرتا تھا تاکہ اپنی منزل تک پہنچ سکے۔

منزلِ محبُوب

آخرکار اپنی اکیسویں کوشش میں جب چینٹا درخت پر چڑھا، تو وہ تنے کے کھردرے حصّے کو پار کر گیا اور سوراخ تک پہنچ کر اناج کے دانے کو وہاں رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔

راجہ نے چینٹے کی کامیابی دیکھ کر راحت کی سانس لی، بہت خوش ہوا اور جوش میں کہہ اُٹھا، ''بہت بڑھیا!''

راجہ نے جو کچھ دیکھا تھا، اُس کے بارے میں سوچا اور اس نے خود سے کہا، ''میں اتنا مایوس کیوں ہو رہا ہوں؟ اس چینٹے نے آج مجھے ایک اہم سبق سکھایا ہے۔ اگر یہ چینٹا بیس بار گر کر بھی دوبارہ اُٹھ سکتا ہے، تو مجھے بھی خود کو بچانے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے، چاہے حالات کتنے ہی مایوس کن ہوں، مجھے بار بار کوشش کرتے رہنا چاہیے، جب تک کہ میں کامیاب نہیں ہو جاتا۔'' اس طرح چینٹے کی مثال نے راجہ کو ہمّت عطا کی اور وہ واپس اپنی سلطنت تک پہنچنے میں کامیاب رہا۔

ہمیں بھی مراقبہ کے میدان میں مسلسل کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ جب کبھی ہم مایوسی کے غار میں گرنے لگیں، چینٹے کی مثال ہمیں بھی ترغیب دے سکتی ہے۔ رُوحانیت کے راستے پر چلتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ہم روزانہ ڈھائی گھنٹے مراقبہ کریں، تبھی ہم اسی زندگی میں رُوحِ عظیم میں جذب ہونے کے اپنے ہدف کو حاصل کر سکیں گے۔ ہمارے ساتھ مشکل یہ ہے کہ ہم بہت جلدی ہار مان لیتے ہیں۔ ہم بتائے گئے وقت سے بہت کم وقت مراقبہ کرتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ ابھی تک ہم رُوحِ عظیم کے پاس پہنچے کیوں نہیں۔ ہم پانچ منٹ کے لیے آنکھیں بند کر کے بیٹھتے ہیں اور سوچنے لگتے ہیں، ''اتنی دیر سے مجھے کچھ دِکھا نہیں ہے، مراقبہ کرنے کا کیا فائدہ!'' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم بتایا گیا پورا وقت مراقبہ میں دیتے ہوں، لیکن ہمارا من پوری طرح سے یکسو نہ ہو پاتا ہو، وہ مسلسل کسی نہ کسی چیز کے بارے میں سوچتا رہتا ہو۔ ایسی حالت میں ہمیں لگنے لگتا ہے کہ ہم اتنے گھنٹے مراقبہ میں دے رہے ہیں، لیکن ابھی تک ہم اپنے اعلیٰ گھر کیوں نہیں پہنچے ہیں؟

مراقبہ میں ترقی کرنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ باقاعدگی سے اور پوری یکسوئی سے کیا جائے۔ اس میں کامیابی کے لیے یہ دونوں چیزیں بہت ضروری ہیں۔

جب ہمیں لگتا ہے کہ ہم اندرون میں ترقی نہیں کر رہے، تو کئی بار ہم ہمّت ہارنے

لگتے ہیں، جس طرح وہ راجہ مایوس ہوکر خود کو حوالہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ چیونٹے نے بار بار ناکام ہونے کے باوجود ہار نہیں مانی اور لگاتار کوشش کرتے ہوئے بالآخر اپنے ہدف تک پہنچ گیا، تو راجہ کے اندر بھی ایسا کرنے کی ہمّت جاگ اُٹھی۔

ہمیں مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ جب بھی ہم نیچے گرتے ہیں، ہمیں لگتا ہے کہ اب ہم اور کوشش نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم خود کو اُٹھائیں، اپنے کپڑے جھاڑیں اور پھر سے شروعات کریں۔ ہمیں نہیں پتہ کہ کب صحیح وقت آ جائے گا اور ہمیں کامیابی مل جائے گی۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری کوششوں کا نتیجہ خُدا کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارا کام ہے اپنی جانب سے پوری کوشش کرنا اور باقاعدگی اور صحیح طریقے سے مراقبہ کرنا۔ اگر ہم ایسا کریں گے، تو صحیح وقت آنے پر خُدا ہمیں ضرور اندرونی احساس عطا کریں گے۔ لیکن اگر ہم ذہن مرکوز کرنے کے لیے بیٹھیں گے ہی نہیں، تو ہم کچھ بھی پائیں گے کیسے؟ خُدا سے کچھ پانے کے لیے ہمیں تیار رہنا ہوگا، باقاعدگی سے مراقبہ کرنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے، خُدا آج ہی ہمیں کچھ عطا کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہوں، لیکن ہم مراقبہ کریں گے نہیں تو اُن کی عطا کو پائیں گے کیسے؟

رُوحانی احساس حاصل کرنے کا مقصد ہے، اندرون میں خُدا کے رابطہ میں آنا۔ خُدا ہمارے حقیقی معشوق ہیں، لافانی محبوب ہیں۔ چونکہ ہم دقیق خُدائی طاقت کو دیکھ نہیں سکتے، اسی لیے خُدا ایک مُرشدِ کامل کے ذریعے کام کرتے ہیں۔ اسی لیے ہر زمانے میں خُدا کی طاقت کچھ خاص انسانی شکلوں کے ذریعے کام کرتی ہے اور متلاشیوں کو سچے گھر واپس پہنچنے میں مدد کرتی ہے۔ خُدا ماضی میں بھی مختلف عظیم شخصیتوں کی شکل میں کام کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی وہ مختلف عظیم شخصیتوں کی شکل میں کام کرتے رہیں گے۔ خُدا کے احکام زمانۂ قدیم سے مُرشدِ کامل کے ذریعے انسانیت تک پہنچائے جا رہے ہیں۔ وہ متلاشی رُوحوں کو خُدا کے پاس واپس جانے کے لیے ضرور رہنمائی عطا کرتے ہیں۔ اندرون میں کسی ایسے مُرشدِ کامل کی رہنمائی ملنا بہت خوش نصیبی کی بات ہے جو اصلی گھر واپس جانے

کے راستوں سے شناسا ہو اور ہمیں بھی اُن راستوں پر گامزن کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔

اس شعر میں سنت درشن سنگھ جی مراقبہ کے دوران رُوحانی رہنمائی کی نور ہیئت سے ملنے کا تجربہ بیان کر رہے ہیں۔ اندرون میں مُرشد کی نوری ہیئت کا دیدار ہونا ایک ایسا احساس ہے، جسے الفاظ میں پوری طرح بیان کرنا ناممکن ہے۔ یہ احساس صرف دیکھنے سے تعلق نہیں رکھتا، یہ ایک ایسا دشوار احساس ہے جس میں ہماری روح کو ترقی دینے اور تبدیل کر دینے کی طاقت ہوتی ہے۔ اس نوری ہیئت میں اتنی کشش ہوتی ہے کہ وہ ہماری رُوح کو مادّی دُنیا کے رشتوں سے اُوپر کھینچ کر اندرونی حلقوں میں اُڑان بھرنے کے لائق بنا دیتی ہیں۔ اس وقت ہم من، مایا اور بھرم کی چیزوں میں قید ہیں۔ اپنے آپ ہم اس مادّی دُنیا کے رشتوں سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن مُرشد کی نوری ہیئت کی طاقتور مقناطیسی کشش ہماری رُوح کو اِن مادّی رشتوں سے آزاد کر کے اعلیٰ رُوحانی حلقوں میں لے جاتی ہے اور اُسے وہاں کے ناقابلِ بیان لطف کا احساس کرواتی ہے۔

اندرون میں مُرشد کی نوری ہیئت سے ملنا انتہائی محبت بھرا احساس ہوتا ہے۔ خُدا کا ماورائی عشق ہمارے روم روم میں سما جاتا ہے۔ ذرا اپنے دُنیاوی محبوب سے پیار بھری ملاقات کے بارے میں سوچیئے۔ اس دوران محسوس کیا گیا مادّی عشق، اُس لاثانی اور ماورائی عشق کا ایک ہلکا سا عکس ہے، جو ہمیں اندرون میں نوری ہیئت سے ملنے پر محسوس ہوتی ہے۔ وہ اُس دُنیاوی عشق کی طرح ہوتا ہے، لیکن اُس سے کئی ہزار گنا زیادہ۔ وہ احساس ایسا ہے جیسے ہمارے روم روم میں، ہمارے ہر روم میں ایک محبت بھرا احساس ہو رہا ہو۔ وہ احساس اتنا طاقتور اور مستی سے لبریز ہوتا ہے کہ اُس عشق کو پہلی بار احساس کرنے والے کچھ لوگ لطفِ عظیم میں رونے اور چلاّنے لگ جاتے ہیں۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ کئی لوگ جب جسمانی احساس سے اُوپر اُٹھ جاتے ہیں، اُنھیں اتنی عشق کا احساس ہوتا ہے کہ وہ خود ہی خوشی سے رونے اور چلاّنے لگتے ہیں۔

رُوحانیت کے راستے کا ہدف ہے، اندرون میں اپنے رُوحانی محبوب کے ساتھ ملاقات کرنا۔ ہماری تمام کوششوں — باقاعدگی سے مراقبہ کرنا، اپنے من کو مستحکم کرنا، اچھے اخلاق اختیار کرنا اور خود تجزیاتی ڈائری لکھ کر ایک بہترین انسان بننا — کا مقصد اندرون

میں اپنے محبوب کے ساتھ ملاقات کرنا ہی ہے۔ ایک بار مُرشد کی نوری ہیئت کا دیدار ہوجانے کے بعد، ہم رُوحانی حلقوں کے اپنے سفر کی شروعات کر پاتے ہیں، جس کا اختتام خُدا کے دربار میں ہوتا ہے۔ اُس نوری ہیئت کا دیدار کرنے پر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ماورائی عشق اصل میں ہے کیا؟ پھر ہمارے ذریعے خُدا کی محبت تمام انسانوں اور پوری کائنات تک جانا شروع ہوجاتا ہے۔ اُس حالت میں پہنچ کر ہم اصل میں سب سے محبت کرنا سیکھ پاتے ہیں۔

ہمیں مسلسل کوشش کرتے رہنا ہے اور نتیجے کی فکر نہیں کرنی ہے۔ ہمارا کام ہے مراقبہ کرنا، اُس کا ثمر دینا خُدا کا کام ہے۔ اندرونی احساس نہ ہونے پر ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی مراقبہ کرنا بند کرنا چاہیے۔ ہمیں روزانہ کوشش ضرور کرتے رہنا چاہیے۔

یہی اصول خود تجزیاتی ڈائری پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم روزرات کو ڈائری لکھتے ہوں، لیکن اگر ہماری غلطیاں کم نہیں ہورہی ہیں، تو ہوسکتا ہے ہم سوچنے لگیں کہ ڈائری لکھنے کا فائدہ ہی کیا ہے! ہمیں ہار مان لینے والا رویہ نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ اُس چینٹے کی طرح بننا چاہیے۔ ہمیں ہر دن اپنی غلطیوں کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، چاہے ایک عدد سے ہی۔ ہمیں شروعات میں اپنے لیے بہت اعلیٰ ہدف متعین نہیں کرنا چاہیے، جسے حاصل نہ کر پانے پر ہم بہت زیادہ مایوس ہوجائیں۔ ہمیں ہر دن کسی ایک میدان میں اپنی غلطیوں کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم ایک وقت میں ایک ہی میدان پر توجہ دے کر اُس میں اپنی غلطیوں کو صفر پر لانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اُس کے بعد ہم کوئی دوسرا میدان لے کر اُس میں خود کو سدھارنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اگر ہمیں کسی میدان میں اپنی غلطیوں کی تعداد بڑھتی ہوئی نظر آئے، تب بھی ہمیں ہار نہیں ماننا چاہیے۔ ہوسکتا ہے اُس میدان میں ہماری غلطیاں بڑھ نہ رہی ہوں، بلکہ ہم آہستہ آہستہ غلطیوں کو بہت باریکی سے پہچاننے اور گننے لگے ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ پہلے ہم اپنی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نظرانداز کرتے رہے ہوں اور اب ہم اُنھیں بہت زیادہ گہرائی کے ساتھ پہچاننے لگے ہوں۔ کسی بھی حالت میں، ہمیں کوشش کرنا بند نہیں کرنا چاہیے، جب تک ہم ہر میدان میں اپنی غلطیوں کو صفر کرنے کے ہدف تک نہ پہنچ جائیں۔ یہ ہدف ہم میں سے ہر ایک حاصل کرسکتا

ہے۔ ہمیں ضرورت ہے تو صرف ہار نہ ماننے کی اور کوشش کرتے رہنے کی۔

ہمیں اپنی زندگی کے سبھی میدانوں میں اُس چیلنج سے سبق لینا چاہیے۔ بات چاہے مراقبہ کی ہو، اچھے اخلاق اپنانے کی ہو یا روزمرّہ کے عام دُنیاوی کام کرنے کی ہو، ہمیں ہر حال میں مثبت بنے رہنا چاہیے، آگے بڑھتے رہنا چاہیے اور ہر حال میں کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

اگر ہمیں پتہ چلے کہ ہم ابھی شروعاتی سطح پر ہیں، تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ جواب بے حد واضح ہے۔ ہمیں روزانہ کم سے کم ڈھائی گھنٹے صحیح طریقے سے مراقبہ کرنا چاہیے اور اپنے اندر اچھے اخلاق کو فروغ دینے کے لیے روزانہ خود تجزیاتی ڈائری لکھنی چاہیے۔ یہ ہمارا گھریلو کام ہے۔ اگر ہم پوری ایمانداری، لگن اور باقاعدگی کے ساتھ اسے پورا کریں گے، تو ہم دیکھیں گے کہ مُرشد کی نوری ہیئت اندرون میں ہمارا انتظار کر رہی ہے۔ اگر ہم ابھی تک اس حالت میں نہیں پہنچ پائے ہیں، تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کیا ہم اپنا گھریلو کام صحیح طریقے سے پورا کر رہے ہیں اور کیا ہم بتائی گئی ہدایات کے مطابق مراقبہ کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ڈائری کے کس کس حصے میں ہمیں ابھی اصلاح کی ضرورت ہے۔ پھر ہم آج سے اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے بھرپور کوشش کرنا شروع کر سکتے ہیں۔

اکثر ہمیں لگتا ہے کہ ہم مراقبہ کر رہے ہیں، لیکن کیا واقعی میں ہم ماضی یا مستقبل کے خیالات میں اُلجھے نہیں ہوتے؟ کیا ہم مختلف خوف اور پریشانیوں کے بارے میں سوچ نہیں رہے ہوتے؟ یہ سب چیزیں ہماری یکسوئی کو منتشر کرتی ہیں۔ ہمیں مراقبہ کے وقت اپنے سبھی خوف اور پریشانیاں ایک طرف رکھ دینی چاہئیں۔ ہم چاہیں تو مراقبہ سے پہلے اُن کے بارے میں لکھ سکتے ہیں اور یہ فیصلہ لے سکتے ہیں اور یہ فیصلہ لے سکتے ہیں کہ اب مراقبہ کے بعد ہی ان کے بارے میں سوچیں گے، یا ہم اُنھیں ایک خیالی انداز میں بند کر سکتے ہیں جسے ہم مراقبہ کے بعد ہی کھولیں گے۔ یہ بالکل بے فائدہ ہے کہ ہم کہنے کو مراقبہ میں بیٹھے ہوں، لیکن پورا وقت کچھ نہ کچھ سوچ رہے ہوں۔ دو گھنٹے آنکھیں بند کر کے ماضی اور مستقبل کے بارے میں سوچتے رہنے سے کہیں بہتر ہے، پانچ منٹ کی مکمل یکسوئی کے ساتھ کیا گیا مراقبہ، کیونکہ پہلی حالت میں ہم مراقبہ کر ہی نہیں رہے ہوتے۔ اگر

رُوحانی تارا بنو

ہم ایک نشست میں پورے ڈھائی گھنٹے مراقبہ میں نہیں بیٹھ سکتے، یا سوا سوا گھنٹے کی دو نشستوں میں بھی نہیں بیٹھ سکتے، تو ہم ڈھائی گھنٹے کے اس عرصے کو اور زیادہ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایسے دِنوں میں جب ہم مشغولیت یا کسی دوسرے اسباب سے ایک یا دو نشستوں میں ڈھائی گھنٹے پورے نہ کر سکیں، تب ہم پچاس پچاس منٹ کی تین نشستوں میں بیٹھ سکتے ہیں، یا تقریباً اڑتیس منٹ کی چار نشستوں میں بیٹھ سکتے ہیں، یا آدھے گھنٹے کی پانچ نشستوں میں بیٹھ سکتے ہیں۔ ہمیں روزانہ کم سے کم ڈھائی گھنٹے مراقبہ ضرور کرنا ہے۔ یہ کم سے کم ہے، اس سے زیادہ ہم جتنا بھی وقت مراقبہ میں دے سکیں، اُتنا ہی اچھا ہے۔ آیئے، ہم آج سے مکمل یکسوئی اور صحیح طریقے سے مراقبہ کرنے کا فیصلہ کریں اور آہستہ آہستہ ذہن مرکوز کرنے کی اپنی مدت کو بڑھاتے چلے جائیں۔

اگر ہم اندرون میں مُرشد کی نوری ہیئت کا دیدار کرنے کے خواہشمند ہیں، تو اس کے لیے ہدایات بہت ہی واضح ہیں۔ ہمیں پوری لگن اور باقاعدگی کے ساتھ مراقبہ کرنا چاہیے اور اس طرح کی اخلاقی زندگی گزارنی چاہیے جو ہمیں خُدا کی سلطنت میں داخل ہونے کے لائق بنا سکے۔ اس طرح ہم خُدا کے کرم کو اپنی جانب مرکوز کریں گے اور وہ ہمیں جلد سے جلد حقیقی گھر واپس بلا لیں گے۔

منزلِ محبُوب

تعارف

سنت درشن سنگھ جی

اور

سنت راجندر سنگھ جی

سنت درشن سنگھ جی

سنت درشن سنگھ جی مہاراج (1921-1989) 'سرت شبد یوگ' کے ست گرو اور ساون کرپال رُوحانی مشن - سائنس آف اسپریچوئلٹی کے بانی تھے۔ یہ ایک غیر منفعتی (non-profit) بین الاقوامی ادارہ ہے، جس کا مرکزی دفتر دلّی میں ہے۔ اپنے پندرہ سالہ گرو کے عہدے کے دوران آپ نے دلّی میں کرپال آشرم بنایا اور دُنیا کے چالیس ملکوں میں پانچ سو پچاس مراکز قائم کیے۔ آپ نے چھٹے عالمی مذاہب کانفرنس، امن کے لیے ایشیائی مذاہب کانفرنس اور پندرہویں بین الاقوامی انسانی اتحاد کانفرنس (1988، دلّی) کی صدارت کی۔ اپنے چار عالمی دَوروں میں آپ کو کئی شہروں کی چابھیاں نذر کی گئیں، کولمبیا (مغربی امریکہ) کی پارلیمنٹ نے 'میڈل آف کانگریس' دے کر عزّت بخشی اور امریکہ کی کانگریس اور مشی گن صوبہ کی 'لیجسلیچر' نے امن اور انسانی اتحاد کی آپ کے قابلِ تعریف کوششوں کے لیے آپ کو سندِ تعظیم بخشی گئی۔

سنت درشن سنگھ جی مہاراج ہندوستان کے صفِ اوّل کے رُوحانی شاعر مانے جاتے ہیں۔ آپ کی اکثر شاعری اُردو زبان میں ہے۔ آپ کی شاعری کی کتابوں 'منزلِ نور' اور 'متاعِ نور' کو اُردو اکادمی کے انعامات سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ آپ نے انگریزی میں کئی کتابیں لکھیں اور اُردو شاعری میں آپ کی تین دیگر کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کی کتابوں کا ترجمہ دُنیا کی پچاس زبانوں میں دستیاب ہے۔

سنت درشن سنگھ جی مہاراج نے بچپن میں ہی بیاس کے بابا ساون سنگھ جی مہاراج

تعارف

(1858-1948) سے بیعت واجازت حاصل کرلی تھی۔ آپ نے اپنے مُرشداوراُن کے جانشین سنت کرپال سنگھ جی مہاراج (1894-1974) کے مشن میں مختلف خدمت انجام دیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے 1942 میں سرکاری نوکری کرلی اور اپنی محنت، لگن اور ایمانداری کی بدولت ڈپٹی سیکریٹری کے اعلیٰ عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

1974 میں سنت کرپال سنگھ جی کے انتقال کے بعد اگلے پندرہ سال تک سنت درشن سنگھ جی نے رُوحانیت کی ذمہ داری سنبھالی اور حق کے متلاشیوں کو رُوحانی راستے پر گامزن کرتے رہے۔ آپ کے دُنیا سے رُخصت ہونے کے بعد، اب مشن کے فرائض سنت راجندر سنگھ جی انجام دے رہے ہیں، جو سنت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سائنسداں بھی ہیں۔

سنت راجندر سنگھ جی

سنت راجندر سنگھ جی مہاراج پوری دُنیا کے ایک منظور شدہ رُوحانی گرو ہیں۔ آپ غیر منفعتی بین الاقوامی ادارہ 'Science of Spirituality' (U.S.A.) اور 'ساون کرپال رُوحانی مشن' کے صدر ہیں۔ یہ ادارے رُوحانیت، امن اور انسانی خدمات کے لیے وقف ہیں اور دُنیا کے 51 ممالک میں ان کے 1700 سے زیادہ مراکز قائم ہیں۔

مہاراج جی نے سیمینار (مکالمہ)، مراقبہ کیمپ، ٹیلی ویژن، ریڈیو، کتابوں اور رسائل وغیرہ کے ذریعے مراقبہ کی اپنے آسان لیکن مؤثر طریقے کو دُنیا کے کروڑوں لوگوں تک پہنچایا ہے۔ ظاہری اور باطنی سکون حاصل کرنے کے آپ کے اس طریقے کو دُنیا کے سیاسی، مذہبی اور رُوحانی رہنماؤں سمیت سبھی نے منظور کیا ہے۔

آپ کی ادبی تخلیقات دُنیا کی 50 سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں، جن میں 'دیویہ سوتر'، 'آتم شکتی'، 'آتمِک شانتی کی کھوج'، 'آدھونک یُگ میں ادھیاتم'، 'سچا سُکھ'، 'دیویہ چنگاری'، 'Meditation as medication for the soul'، 'The abode of the Beloved' وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کے متعدد مضامین مسلسل دُنیا بھر کے رسائل و اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مہاراج جی کی تقریریں پوری دُنیا میں ٹیلی ویژن، ریڈیو اور انٹرنیٹ کے ذریعے نشر ہوتی رہتی ہیں۔

سنت راجندر سنگھ جی مہاراج 'مانوا یکتا سمّیلن' (Human Unity Conference)، اور 'وِشو دھرم سنگھ' (World Fellowship of Religion) اداروں کے صدر ہیں۔ آپ

تعارف

شکاگو میں 1993 میں ہوئی 'مذاہب عالم پارلیمنٹ' نیز روم، اٹلی میں 1994 میں ہوئی 'مذاہب عالم اور امن کانفرنس' میں ایک اہم مقرر تھے۔ آپ نے امن عالم اور اتحاد کے لیے کئی مذہبی جلسوں اور متعدد بین الاقوامی انسانی اتحاد کانفرنسوں کا انعقاد کیا۔

سنت راجندر جی مہاراج کو متعدد اعزازات سے نوازا جاچکا ہے۔ 1997 میں نیویارک کے 'ہمہ مذاہب مرکز' (Interfaith Center of New York) اور 'باہمی یگانگت مندر' (Temple of Understanding) نے آپ کو امن انعام سے نوازا۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی بالٹیمور ریاست میں ایک دن 'یوم سنت راجندر سنگھ' کے نام سے بھی منایا گیا۔ اقوامِ متحدہ کی 50ویں سالگرہ، جو کہ نیویارک میں منائی گئی تھی، پر مہاراج جی نے ہزاروں لوگوں کو مراقبہ پر بٹھایا۔ آپ نے ایک جلسہ میں 'اقوامِ متحدہ' (United Nations) کے سیکریٹری جنرل کے اعزاز میں دعائیہ جلسے کا انعقاد کیا۔ فروری 1997 میں آپ کو 'قومی دعائیہ طعام' (National Prayer Breakfast) میں بطورِ خاص مدعو کیا گیا، جو امریکہ کے صدر بل کلنٹن کی صدارت میں دیا گیا تھا۔ آپ نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی (General Assembly) میں مذہبی و رُوحانی رہنماؤں کی صدسالہ امن تقاریب کے افتتاحی جلسے میں بھی خطاب کیا۔ ایلی نوئے ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (Illionois Institute of Technology) نے سنت راجندر سنگھ جی مہاراج کو ان کے امن اور تعلیم کے میدان میں کی گئی کوششوں کے لیے 'ممتاز رہنما ایوارڈ' (Distinguished Leadership Award) کے لیے منتخب کیا۔ 2004 میں جنوبی امریکہ کی دو یونیورسٹیوں نے مہاراج جی کو امن، تعلیم اور روحانیت کے میدان میں کی گئی کوششوں کے لیے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی۔

انسانیت کی خدمت کے لیے آپ ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ آپ کے مشن میں مسلسل مفت ایلوپیتھک، ہومیوپیتھک اور آیورویدک دواخانے کام کرتے رہتے ہیں اور بوقت ضرورت مفت طبّی کیمپ لگائے جاتے ہیں۔ مشن کے ذریعے قدرتی آفات کے وقت — جیسے کولمبیا میں آئے آتش فشاں، میکسیکو میں آئے زلزلے، دلّی میں آئی باڑھ اور فلوریڈا میں آئے طوفان — میں پھنسے لوگوں کی امداد کی جاتی ہے۔ گجرات میں آئے زلزلے کے

دوران جب کئی شہر تباہ ہو گئے، تو مشن کے ذریعہ وہاں ایک گاؤں بھی بسایا گیا، جس میں کئی گھر، اسکول، مراقبہ ہال اور کمیونٹی سینٹر بھی بنائے گئے۔ 2004 میں ایشیا میں آئی عظیم آفت سونامی کے لیے مشن نے -/61,000 ڈالر کی رقم جمع کی۔

مہاراج جی نے اپنی تعلیم سائنس اور ٹیکنالوجی میں حاصل کی ہے۔ آپ نے مشہور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ آئی آئی ٹی مدراس (Indian Institute of Technology, Madras) سے الیکٹریکل انجینئرنگ (Electrical Engg.) میں بی ٹیک (B.Tech.) اور آئی آئی ٹی شکاگو (Illinois Institute of Technology, Chicago) سے ماسٹر آف سائنس (M.S.) کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے اگلے 20 سالوں تک الیکٹرانک، انفارمیشن اور کمپیوٹر کو اپنا میدانِ عمل بنایا اور کئی اوزاروں میں اہم جدت پیدا کی۔ سائنس، انفارمیشن اور کمپیوٹر کے میدان میں آپ کا تعاون ہونے کی وجہ سے آپ نے رُوحانیت کو سائنسی نقطۂ نظر سے پیش کیا ہے۔ مہاراج جی نے رُوحانیاتی سائنس اور مراقبے کو تمام عالم کے لیے آسان بنا دیا ہے، تاکہ لوگ اسے سمجھ سکیں اور خود اس کی مشق کر سکیں۔